جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

لاہور

ماہنامہ

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

جون ۱۹۹۴ء

ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماھنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۲ | ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ - جون ۱۹۹۴ء | شمارہ : ۹

مدیر

سیّد محمود میاں

مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے	سالانہ	۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات . . .	"	۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش	"	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ	"	۱۶ ڈالر
برطانیہ	"	۱۷ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . . سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ ۵۴۰۰۰، فون ۲۰۱۰۸۶ - ۲۰۵۳۸۸

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

حرفِ آغاز ____ ۳
درسِ قرآن ____ حضرت مولانا قاری محمدؒ طیبؒ ____ ۵
درسِ حدیث ____ حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ____ ۱۲
سیرۃِ مُبارکہ ____ حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمدؒ میاںؒ ____ ۱۶
نعت مُبارک ____ سیّد سلمان گیلانی ____ ۲۲
خطاب لاجواب ____ مولانا ارشد مدنی صاحب ____ ۲۳
علمائے اسلام کے القاب ____ قاضی اطہر مُبارک پُوری ____ ۳۳
سیّدنا عمر فاروقؓ ____ حافظ حقانی میاں قادری ____ ۴۰
زندہ جانوروں کی تول کر خرید و فروخت ____ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدُالواحد ____ ۵۲
تاقیامت رہے آبروئے ہرات (نظم) حضرت سیّد نفیس شاہ صاحب ۵۹
حاصلِ مطالعہ ____ مولانا نعیم الدّین ____ ۶۰
تبصرہ ____ ۶۳

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہ العالی۔ مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد۔ یو۔ پی۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلّی علی رسولہ الکریم

امابعد! گزشتہ ماہ ۶،۷ مئی کی درمیانی شب بعد نمازِ عشاء جامعہ کے مہتمم مولانا سیّد رشید میاں صاحب مدظلہم کو پولیس کی بھاری جمعیّت کی موجودگی میں بلاجواز جامعہ کی حدود سے گرفتار کر لیا گیا پولیس افسر نے اوّل یہ بتلایا کہ آپ کو میٹنگ کے سلسلہ میں تھانہ لوئر مال چلنا ہے آپ کو ابھی لے جاؤں گا اور ابھی واپس چھوڑ جاؤں گا۔ بعدازاں لوئر مال سے تھانہ راوی روڈ منتقل کر دیا گیا اور مولانا کو بتلایا گیا کہ آپ پولیس کی حراست میں ہیں۔ وجہ پُوچھی گئی تو پولیس افسر نے جواب دیا کہ اُوپر سے غیر تحریری آرڈر یہی ہے۔ مولانا کو کمرہ اور چارپائی دی گئی اور کہا گیا کہ آپ رات یہیں گزاریں گے۔ گھر سے کھانا اور بستر پہنچا دیا گیا۔ راقم کے پُوچھنے پر ایک پولیس افسر نے بتلایا کہ "مَیں نے مولانا سے بات چیت کے بعد یہ رپورٹ بھیج دی ہے کہ مولانا کا فرقہ واریت سے کچھ بھی تعلّق نہیں ہے اور مَیں نے رپورٹ میں اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ بالکل بے ضرر انسان ہیں اور مَیں وائرلیس پر کسی بھی حُکم کے انتظار میں بیٹھا ہُوں"۔

پولیس اور انتظامیہ کے اعلیٰ حکام سے رابطہ کی کوشش کی گئی تو معلوم ہُوا کہ سو رہے ہیں، ایک آدھ سے رابطہ ہُوا بھی تو لاعلمی کا اظہار کرکے واقعہ کی ذمہ داری قبول کرنے سے دانستہ اعراض کیا گیا۔

مولانا کو اگرچہ بہت عزّت و اکرام کے ساتھ تھانہ میں رکھا گیا، مگر ایک نامور عالمِ دین اور ایسی معزز شخصیّت کو تھانہ میں رکھنا جس کی امن پسندی اتنی ظاہر وباہر ہے کہ حکام بھی اس سے بخوبی واقف ہیں بہرطور قابلِ صد مذمّت ہے۔ حکومت کی اس حرکت سے اُس کی انتظامی صلاحیّت کا کھوکھلا پن اور بدحواسی عیاں ہوتی ہے اس کی خُفیہ ایجنسیوں کی رپورٹیں محض مفروضوں پر سہارا ہیں۔ اس قسم کی رپورٹیں حقیقی مُجرموں کے لیے "سائے بان" کا کام دیتی ہیں۔ وہ اپنا کام دکھاتے رہتے ہیں اور صاف بچ نکلتے ہیں۔

اس موقع پر بعض اخبارات نے واقعہ کو جس بھونڈے انداز میں پیش کیا وہ بھی اپنی جگہ قابلِ مذمّت ہے محض اخباری تجارت کے فروغ کی خاطر اہل علم کی عزّتوں کو قلم کی نوک پر رکھنا "قلم" و"اہلِ قلم" کے لیے ہرگز زیبا نہیں ہے مولانا کو رہا کرتے وقت حکومت کو زبانی معذرت کے ساتھ معذرت پر مشتمل پریس ریلیز بھی جاری کرنا چاہیے تھا تاکہ لوگوں کو اس واقعے سے پہنچنے والے صدمہ کی کسی حد تک تلافی ہوتی۔

○ گزشتہ ماہ وفاقی حکومت نے دفتری اور تعلیمی اداروں میں ہفتہ وار دو چھُٹیوں کے فیصلہ کا اعلان کیا ہے۔

عرصہ سے ملک کے تقریباً ہر مکتبہ فکر کی جانب سے اس کے خلاف وزنی دلائل کے ساتھ آراء سامنے آرہی تھیں جبکہ حکومت کے پاس اپنے اس اقدام پر ایک بھی معقول دلیل نہیں ہے اس کے باوجود حکومت کا یہ فیصلہ کر دینا عقل و فہم سے خالی محض بچگانہ اقدام ہے اس فیصلہ سے ہونے والے نقصانات پر اگرچہ قومی جرائد میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے تاہم اس قومی نقصان پر ادارہ اپنے قارئین کے جذبات کی ترجمانی کی ذمّہ داری سے سبکدوش ہونا اپنا فرض سمجھ کر چند سطریں زیب قرطاس کر رہا ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

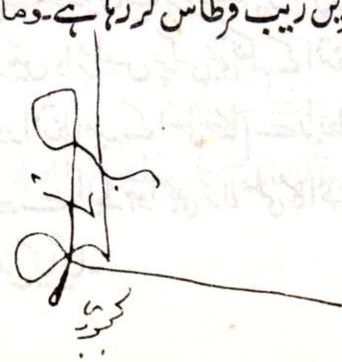

درسِ قرآن حکیم

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
تبویب و تزئین : مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

سیر و سفر کا حاصل

اَب اس سارے سیر و سفر کا حاصل کیا ہے کہ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ زمین کے رزق سے فائدہ اُٹھاؤ کھانے کی چیز سے کھانے کا فائدہ استعمالی چیز سے استعمال کا فائدہ زینت کی چیز سے زینت کا فائدہ، کچھ پیٹ میں جاتی ہیں چیزیں کچھ بدن کے اُوپر رہتی ہیں اور کچھ بدن کے باہر رہتی ہیں۔ پیٹ میں کھانا جاتا ہے۔ بدن کے اُوپر لباس رہتا ہے۔ لباس سے باہر باہر مکان اور بلڈنگ اور بنگلے رہتے ہیں اور یہ سَب زمین ہی سے پیدا ہو رہے ہیں سَب کے مادّے زمین ہی سے نکل رہے ہیں تو زمین کو ایک عجیب و غریب خزانہ حق تعالیٰ شانہٗ نے بنا دیا اور انسان کے ہاتھ میں دے دیا کہ کرو تصرف اسکا مطلب یہ ہُوا کہ کسی تصرف سے روکا نہیں گیا بلکہ منشاءِ قدرت ہے کہ تصرف کرو۔

سَب کچھ کرو مگر ہمیں مَت بھُولو

مگر ایک چیز بتلا دی کہ سب کچھ کرو، مگر ہمیں مَت بھُولو، اس لیے کہ ہم ہی تو ہَیں محسنِ حقیقی، ہم نے ہی تو یہ زمین بنائی، ہم نے ہی تو تمہارے دِلوں میں یہ چیزیں ڈالیں کہ کس طرح اس زمین کے مادّے کو اس کی نعمتوں کو استعمال کرو، تو یہ سارا جو کچھ بھی ہے ہمارے انعام اور احسان کا ثمرہ ہے

بَدفطرت اور سلیم الفطرت انسان

تو بَدفطرت ہوگا وہ انسان کہ منعِم کا انعام کمائے اور منعِم کو بھُول جائے۔ محُسن کے احسان سے فائدہ اُٹھائے اور محُسن کو بھُلا دے، وہ بد فطرت کہلائے گا، سلیم الفطرت انسان وہ ہے کہ جتنی نعمت بخشی جائے اتنا ہی شُکر بڑھتا جائے، اتنی ہی طاعت بڑھتی جائے تو کہا جائے گا کہ یہ سلیم الفطرت

انسان ہے، دُنیا کی ہر چیز کو اللہ نے نعمتوں سے مالا مال کیا۔

اللہ تعالٰی نے سب سے زیادہ نعمتیں انسان کو عطا کیں۔

مگر سب سے زیادہ نعمتیں جو دیں وہ انسان کو عطا کیں، سب سے زیادہ چہیتی مخلوق اللہ کی اور پیاری مخلوق وہ انسان ہے اس لیے اسے وہ کچھ دیا کہ وہ کسی کو نہیں ملا، اسی کو ایک جگہ فرمایا گیا کہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا

ہم نے انسان کو معظّم اور مکرّم بنایا اور بحر و بر میں اُسے اُٹھایا کہ بر میں بھی جہاں چاہے چلا جائے اور بحر میں بھی جہاں چاہے چلا جائے، بر کے لیے سواریاں الگ دیں، دریا کے کے لیے سواریاں الگ دیں، فضا کے لیے سواریاں الگ دیں، دنیا کا ہر جاندار اپنے پیروں سے چلتا ہے، آپ نے نہیں دیکھا ہوگا کہ گھوڑا گھوڑے پر سوار ہو کر جائے، شیر شیر پہ، سانپ سانپ پر، بچھو بچھو پہ ہر ایک اپنے پیروں پہ سفر کرتی ہے چیز، حتّٰی کہ دریا میں بھی اگر جائے تو تیر کر نکلتی ہے۔ یہ کرامت انسان کو دی گئی کہ دریا میں جائے تو سواریاں موجود، خشکی میں چلے تو سواریاں موجود، فضا میں جائے تو سواریاں موجود تو حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔

ہر جاندار کی غذا متعیّن ہے اور انسان کے لیے ہر چیز وقف ہے

پھر دُنیا کے جس جاندار کو دیکھیں گے آپ اُس کی ایک غذا متعین ہے، شیر مثلاً خون ہی پئے گا، گوشت ہی کھائے گا، پرندے ہیں وہ دانہ چگیں گے وہ گوشت نہیں کھاتے، حیوان چرندے ہیں وہ گھاس کھائیں گے، لیکن انسان کے لیے ساری چیزیں وقف ہیں، گھاس یہ کھا جائے، ماس یہ کھا جائے، مٹی یہ کھا جائے۔ پتّھر یہ کھا جائے۔ سونا اور چاندی یہ کھا جائے جواہرات یہ کھا جائے، اوّل تو ساری چیزیں مٹّی سے بنی ہوئی ہیں، تو مٹی کھاتا ہے آدمی ویسے بھی بھی مٹّی کھاتا ہے، اب یہ پان کھاتے ہیں ہم، یہ چونا مٹی کے سوا اور کیا ہے، پتّھر بھی کھا لیا آدمی نے، پھر سونے اور چاندی کہیں ورق بن رہے ہیں تو وہ دواؤں میں کام آرہے ہیں، سونے اور چاندی کے زیور تو الگ ہیں کھانے میں بھی سونا اور چاندی استعمال کیا جاتا ہے،

جواہرات ہیں تو یاقوتیاں بنتی ہیں وہ مقوّیِ باہ ہوتی ہیں، وہ مقوی بدن ہوتی ہیں تو یاقوت اور زمرد بھی کھا جاتا ہے آدمی، تو گھاس بھی کھا جائے، ماس بھی کھا جائے، پتھر بھی کھا جائے، مٹی بھی کھا جائے۔ پھر کونسی سبزی ہے جو نہیں کھاتا آدمی، ترکاریاں ہر قسم کی، بجز اس کے کوئی کڑوی ہو اور نہ چلے منہ میں تو چھوڑ دے اس کی عنایت ہے۔ کھانے والے اُسے بھی کھا جاتے ہیں تو غرض دُنیا کی ہر چیز کھاتا ہے انسان، تو فرمایا کہ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ہر پاکیزہ چیز ہم نے انسان کو دی ناپاک چیز سے روک دیا کہ وہ مت کھاؤ، کھانے کے لیے بہتیری چیزیں ہیں پاک، مردار مت کھاؤ، خنزیر مت کھاؤ، شراب مت پیؤ کہ یہ چیزیں نجس بنائی گئی ہیں تم نجاستوں کے استعمال کے لیے نہیں بنائے گئے، تم بنائے گئے ہو پاک باز معظّم اور مکرّم، تو تمہاری غذا بھی پاک ہونی چاہیے نہ کہ ناپاک چیزیں تو پاک چیزیں اتنی بنا دی ہیں کہ اُن کی حدو نہایت نہیں، تو یہ کیا مصیبت ہے کہ ناپاک کی طرف جائے آدمی، ناپاک کی طرف جب جائے کہ جب پاک چیزیں نہ ہوں، حرام خوری جب کرے کہ جب حلال چیزیں نہ ہوں، ناجائز پیشہ جب اختیار کرے کہ جائز پیشہ نہ ہو، تجارت ہے، زراعت ہے، صحافت ہے، ملازمت ہے، صنعت ہے، حرفت ہے کیا ضروری ہے کہ آدمی سود ہی لے اور بٹہ ہی لے اور چوری کرے اور ڈکیتی، یہ ناجائز پیشے ہیں، تو جائز اس لیے لگا دیے ہیں، ہم نے کہ اگر اُن کے اندر محدود رہو تو حرام اور ناجائز کی ضرورت ہی نہ پڑے یہ صرف حرص و ہوس ہے کہ انجام سے بے خبر ہو کر حرام چیزوں میں بھی پڑ جاتا ہے آدمی جس سے دُنیا بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ آخرت بھی تباہ ہو جاتی ہے اس لیے فرمایا

سب چیزیں تمہارے لیے ہیں استعمال کرو مگر اُصول کے تحت

کہ زمین مسخّر، سارے خزانے تمہارے، استعمال کرو مگر اللہ کو مت بھولو، یعنی اُن اصول کے تحت رہو کہ جو اللہ نے حرام و حلال کے اُصول بنا دیے، جائزات کے حدود میں رہو، اسراف مت کرو، اپنے استعمال میں چیز لاؤ، مگر فضول خرچی سے نہیں بلکہ حدود کے اندر، دوسرے کو استعمال کے لیے دو، عنایت کرو، ہدیہ دو مگر حدود کے اندر، یہ ہدیہ نہیں ہے کہ سارا گھر لٹا دے آدمی، اور یہ بھی نہیں ہے کہ امساک اور بخل میں آکر ایک پائی

بھی نہ نکلے اس کے ہاتھ سے، تو دینے میں عطا کرنے میں بھی درمیانہ چال ہونی چاہیے، اپنے استعمال میں درمیانی چال ہونی چاہیے۔ حتّٰی کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دریا کے کنارے بیٹھ کر وضو کرو تو لَاتُسْرِفْ فِی الْمَآءِ اسراف مت کرو کہ خواہ مخواہ پانی اچھال رہے ہو بیٹھے ہوئے اور ایک لوٹے میں وضو ہو سکتا ہے تو دو گھڑوں میں وضو کرلیا وہ اسراف میں شمار ہوگا، کپڑا پہنو، مگر حدود کے اندر فرمایا گیا ہے کہ جو آستین پہنچوں سے نیچے لگی ہوئی ہو وہ اسبال اور سدل کے حکم میں ہے وہ فضول خرچی ہے اس پر مواخذہ ہوگا عند اللہ، تو کپڑا پہننے میں بھی حد بندی کردی، کھانے پینے میں بھی حد بندی کردی۔ خزانے پر بیٹھے ہو مگر حدود کے اندر استعمال کرو، یہ مت سمجھو کہ جب دس لاکھ روپے ہیں میرے پاس تو جس طرح چاہے خرچ کرلوں، اُس میں بھی حد بندی ہے کہ اعتدال کے ساتھ خرچ کرو، نہ اتنا خرچ کرو کہ کل کو تم خود بھک منگے بن جاؤ نہ اتنا امساک اور بخل کرو کہ نہ اپنے کام آئے نہ غیر کے کام آئے، ایک درمیانہ چال رہے انہیں اُصول پر چلنا اور جائزاتِ شرعیہ کے اندر رہنا یہی ہے حد بندی اور اللہ کو یاد کرنا۔

اللہ کو یاد کرنے کے دو معنٰی ہیں

تو ایک اللہ کو یاد کرنے کے یہ معنٰی ہیں کہ استعمال کرتے وقت قلب میں غفلت نہ ہو، ذکر جاری ہو کوئی اچھی چیز کھائی تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے، ابتداء کرے کھانے کی تو بسم اللہ سے کرے، لباس پہنے آدمی تو بسم اللہ سے لباس پہنے، اور جب پہن لے آدمی تو حمد و ثناء کرے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ ھٰذَا۔ اللہ کی حمد ہے کہ جس نے مجھے پہننے کو دیا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ اللہ کی حمد ہے اس پر کہ مجھے کھانے کو دیا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ سَقَانِیْ الحمد اللہ کہ مجھے پینے کو دیا، گھر میں داخل ہوں تو ذکر اللہ یہ ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ ھٰذَا الْبَیْتَ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے یہ بلڈنگ دی، یہ مجھے مکان دیا تو قدم قدم پہ دُعائیں بتلائیں تاکہ مالک یاد رہے تو ایک تو ذکر اللہ کے یہ معنی ہیں کہ آدمی دُعائیں پڑھتا رہے، مختلف اوقات کی جو دُعائیں بتلائی گئی ہیں اُن کو استعمال کرتا رہے حمد و ثنا کرتا رہے۔

ہر چیز کو اُصول شرعیہ کے مطابق استعمال کرنا بھی ذکر اللہ میں داخل ہے۔

اور دوسرے یہ ہے کہ اس شے کو اُصولِ شریعت کے مطابق استعمال کرے یہ بھی ذکر اللہ میں داخل ہے چاہے زبان سے ذکر اللہ ہو یا نہ ہو مگر جب جائز کی حد میں ہے، طریقۂ شرعیہ پر چل رہا ہے، سُنّت کے مطابق چل رہا ہے وہ عملی ذکر ہے ——— اگرچہ زبان پہ ذکر نہیں تو ذکر اللہ کے اور مُنعِم اور محسن کو یاد کرنے کرنے کے دو طریقے بیان کیے گئے ہیں ایک یہ کہ زبان سے یاد کرو اس کے لیے وہ دُعائیں ہیں جو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرما دیں اور اگر کسی کو وہ دُعا نہ بھی یاد ہو تو ہر کام میں جو نعمت ہو کہے کہ اے اللہ، تیرا شکر ہے، یہ تو کہہ سکتا ہے، استنجا کر کے واپس آئے اگر دُعا یاد نہ ہو تو کم سے کم کہے کہ اے اللہ تیرا شکر ہے میرے اندر سے تُو نے فضلات نکال دیے، میں ہلکا ہو گیا یہ تو کہہ سکتا ہے زبان سے، سونے کے لیے لیٹے اگر وہ دُعا یاد نہ ہو تو آیۃ الکرسی پڑھ کر سو جائے، بسم اللہ پڑھ کر سو جائے۔ غرض اللہ کے نام سے سوئے، جاگ جائے تو گویا موت کے بعد زندگی دی اللہ نے، تو چاہیے کہ وہ دُعا پڑھے جو حدیث میں فرمائی گئی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ حمد ہے اس اللہ کے لیے کہ جس نے مجھے موت کے بعد زندگی دی اور میں اسی کی طرف لوٹ کر جانے والا ہوں، لیکن اگر یہ دُعا یاد نہ ہو تو کم سے کم کلمہ ہی پڑھتا ہوا اُٹھے آدمی، سُبحان اللہ کہتا ہوا اُٹھے، الحمد للہ کہہ کر اُٹھے، تو ایک ہے لسانی ذکر اس میں اعلیٰ ترین طریقہ وہ ہے کہ سُنّت کے مطابق جو الفاظ ثابت ہیں اُنھیں یاد کرلے بچّوں کو یاد کرا دیے جائیں با آسانی یاد کرلیں گے، جو بچّے پُورا قرآن شریف یاد کر لیتے ہیں وہ کیا دُعائیں حدیث کی یاد نہیں کر سکتے، مہینے بھر میں سب دُعائیں یاد ہو جائیں گی اور اگر نہ ہو تو کم سے کم اللہ کا نام زبان پر ہو یہ لسانی ذکر ہے اور ایک یہ کہ ہر چیز کے استعمال میں یہ دیکھ لے کہ شریعت کے مطابق کر رہا ہوں استعمال یا نہیں، وہ بھی ذکر اللہ میں داخل ہے، کمانے کے لیے بیٹھے آدمی تو یہ دیکھ لے کہ جائز پیشہ اختیار کیا ہے یا ناجائز، جائز کو اختیار کرے یہ بھی ذکر اللہ میں شامل ہے یہ بھی اللہ کی یاد ہے تو فرماتے ہیں کہ نعمتیں استعمال کرو، کوئی روک نہیں، مگر حدود میں رہ کر اسراف نہ ہو فضول

خرچ نہ ہو جیسا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا گیا کہ یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اے رسولوں کے گروہ پاک غذائیں استعمال کرو پاک چیزیں استعمال کرو کھانے کی ہوں پہننے کی ہوں، لیکن عملِ صالح کرتے رہو وہ ذکر اللہ آگیا تاکہ محسن کا حق ادا ہوتا رہے اور اُس کا احسان دِل کے اندر تازہ بہ تازہ رہے یہ جو نمازیں پڑھتے ہیں یہ بھی وہی ذکر اللہ ہے کہ اے اللہ ہم نے نعمتیں استعمال کیں مگر آپ کو نہیں بھلایا جو اوقات فرض کر دیے حاضر ہیں آپ کی بارگاہ میں، مؤذّن اذان دیتا ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ

مؤذّن کی اذان محض اعلان نہیں ہے

یہ محض اعلان نہیں کہ اطّلاع دے دی کہ آجاؤ نماز کے لیے یہ یاد دلاتا ہے ذکر اللہ کا کہ تم ہر وقت اللہ کی کبریائی اور عظمت دِل میں رکھو اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ توحید اپنے دِل میں رکھو، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ نبوّت کی عظمت اور عقیدت اپنے دل میں رکھو، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ نماز کی طرف جھکو حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ دُنیا و آخرت کی بہبود اور فلاح کی طرف آؤ، تو کبریائے خداوندی، توحید الٰہی، نبوّتِ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم یہ یاد دلانے کے لیے کھڑا ہوتا ہے مؤذّن پانچ وقت، تاکہ بندے غفلت میں نہ پڑجائیں اور اگر پڑے ہُوئے ہوں اپنی نعمتوں میں تو اذان کی آواز سُنتے ہی چونک جائیں ایک دم کہ اَب ہمیں حق بھی ادا کرنا ہے اس محسن کا کہ جس نے یہ ساری نعمتیں دیں اس لیے فرمایا کہ زمین کی نعمتیں استعمال کرو اس کے کندھوں پر سیر و سیاحت کرو، سفر کرو، مگر ہمیں مت بھلاؤ اس لیے کہ اگر تم بھول گئے تو وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ دیکھو کل کو آنا ہے ہمارے سامنے اگر یہی رہنا ہوتا دُنیا میں اَبَدَ الْاٰبَاد تک کے لیے تب بھی انسان یہ غور کرتا کہ جانا تو مجھے ہے ہی (چاہے یاد کروں چاہے نہ کروں)، زمین میری، لیکن چھوڑنا ہے ایک دن زمین کو اور موت کا منظر سامنے ہے ہزاروں لاکھوں انسان گزر رہے ہیں۔ اس زمین کو چھوڑ کر جا رہے ہیں جو لکھ پتی تھے وہ بھی جا رہے ہیں جو بھک منگے تھے وہ بھی جا رہے ہیں غرض ایک نہ ایک دن اس زمین کو چھوڑنا ہے اور اس کی ساری نعمتوں کو چھوڑنا ہے اور چھوڑ کر جانا کہاں ہے؟ فرماتے ہیں ہمارے ہی پاس تو آنا ہے جہاں سے گئے تھے وہیں تو لوٹ کر آؤ گے تو اس دن کو بھی یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ اسے بھلا دو اور اس کو فرماتے ہیں۔ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّتَرَکْتُمْ مَّا

خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ج وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ط لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ فرماتے ہیں کہ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى دیکھو

اللہ کے حضور میں ہر شخص تنہا جائے گا

ہمارے پاس تم تنہا تنہا آؤ گے کوئی لشکر ساتھ نہیں ہوگا۔ بادشاہ ہے وہ بھی اسی زمین فرشِ خاک پر جائے گا ہمارے پاس، اور فقیر ہے وہ بھی اسی فرشِ خاک پر، کوئی لاؤ لشکر تمہارے ساتھ نہیں ہوگا تو جیسے تنہا ہم نے بھیجا تھا تمہیں کہ ماں کے پیٹ میں تم ہی تھے اسی طرح سے زمین کے پیٹ میں جو اصل ماں ہے تم تنہا ہی آنے والے ہو، پھر اس خیال میں مت رہنا کہ کوئی تمہارے ساتھ لاؤ لشکر ہوگا جو ہمارے مقابلہ میں تمہاری مدد کر دے گا۔ تنہا آؤ گے اور اگر ساری دُنیا کا لشکر لے کر بھی آؤ تو ہمارے مقابلہ میں کیا چل سکتی ہے تمہاری، ہم تو خالق ہیں، پیدا کرنے والے ہیں۔ جب چاہیں موت دے دیں، جب چاہیں ضعیف کر دیں، جب چاہیں کمزور بنا دیں تو مقابلہ تو اس کا کرو جو عاجز ہو قادرِ مطلق کا مقابلہ کیا۔ تو اوّل تو تم تنہا آؤ گے یہ سارا لاؤ لشکر یہیں رہ جائے گا اور اگر کسی کے ساتھ بالفرض ہو بھی لشکر ہمارے مقابلہ میں کام نہیں دے سکتا اس لیے فرمایا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ

○

انتقالِ پُر ملال

گزشتہ ماہ ۲۶ اپریل کو حضرت مہتمم صاحب مدظلہم کے خسر جناب حافظ محمد طاہر صاحب طویل علالت کے بعد دہلی میں انتقال فرما گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ راجعون مرحوم تجارت کے پیشہ سے منسلک تھے اور بہت اعلیٰ درجہ کے حافظِ قرآن تھے قرآن پاک سے دیوانگی کی حد تک لگاؤ تھا اپنے سارے بیٹوں کو بھی حافظِ قرآن بنایا اس کے لیے حفظِ قرآن کے بہت سے مکتب قائم کیے، چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ دُعا ہے کہ اللہ پاک اُن کی قرآنی خدمات کا زیادہ سے زیادہ صلہ عطا فرمائے، خطاؤں سے درگزر فرمائے، پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور اُن کی اولاد کو ان کے نقشِ قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مولای صل وسلم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر انوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مُبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارفؒ کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنھوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤ لؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

هنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۴، ۴ ستمبر ۱۹۸۱ء

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمد وّآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

عَنْ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدَّثَ اَنَّ رَجُلاً قَالَ وَاللّٰہِ لَا یَغْفِرُ اللّٰہُ لِفُلَانٍ وَّاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَتَاَلّٰی عَلَیَّ اَنِّیْ لَآ اَغْفِرُ لِفُلَانٍ فَاِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ وَّ اَحْبَطْتُّ عَمَلَکَ۔[1]

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نے کہا، اللہ کی قسم اللہ فلاں آدمی کو نہیں بخشے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کون ہے جو میرے بارے میں قسم کھا کر یہ کہتا ہے کہ مَیں نہیں بخشوں گا فلاں کو تحقیق مَیں نے بخش دیا فلاں کو اور ضائع کر دیا تیرے عمل کو۔

انسانوں میں تبدیلی آتی رہتی ہے اور دُنیا بھر میں ایسے ہی ہوتا رہتا ہے کہ بُرے لوگ توبہ کر کے اچھے بن جاتے، اچھائی کی طرف آجاتے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اچھے آدمی بُرے کاموں میں لگ جاتے ہیں العیاذ باللہ، اَب کوئی شخص کسی دوسرے کو اگر بُرا کام کرتا ہُوا دیکھ لے تو یہ فرض ہے کہ اُس کو روکے، اس کو سمجھائے اور اگر ایسا موقع نہ ہو کہ اُسے روک سکے، سمجھا سکے تو

[1] مشکوٰۃ، ص: ۲۰۴

پھر یہ ہے کہ کم از کم اپنے دل میں تو اس کو بُرا جانے کہ یہ کام بُرا ہو رہا ہے لیکن اس آدمی کے بارے میں حتمی فیصلہ اپنے ذہن میں نہیں کر سکتا کوئی بھی،

قطعی فیصلہ کرے کہ یہ آدمی خراب ہے اور خراب ہی رہے گا اس کا حق کسی کو نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے وہ توبہ کر لے، مرنے سے پہلے پہلے توبہ کر لے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ قبول ہو گی اور اللہ نے یہ انعام فرمایا ہے انسانوں پر اور جنّات پر کہ وہ توبہ کر لیں تو توبہ قبول ہو گی، ثقلین کے لیے معاملہ یہی ہے اور ثقلین ہیں انسان اور جنّ۔

اس شخص کا واقعہ جس نے کہا تھا کہ اللہ فلاں کو نہیں بخشے گا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سمجھانے کے لیے ایک واقعہ ذکر فرمایا جو پہلی اُمتوں میں ہُوا (وہ یہ) کہ ایک شخص نے کہا، کسی آدمی کا نام لے کر خُدا کی قسم کھائی اور یہ کہا کہ اللہ اس کو نہیں بخشے گا، یہ بہت بڑی بات کہی، آپ دوسرے آدمی کے بارے میں یہ قسم نہیں کھا سکتے کہ یہ آدمی بات نہیں مانے گا، ممکن ہے وہ مان جائے۔

کوئی آدمی کہتا ہے کہ مجھے فلاں آدمی سے کام ہے، آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ ایسے نہیں ہو گا یہ نہیں مانے گا اس بات کو، لیکن قسم نہیں کھا سکتے کہ وہ نہیں مانے گا کیونکہ کیا پتہ مان جائے، یہ قسمیہ جملہ نہیں بولا جاتا، اور اگر کوئی کرتا ہے تو بُرا ہی سمجھا جاتا ہے، لوگ شرطیں باندھ لیتے ہیں کہ ایسے ہو گا۔ دوسرا کہتا ہے کہ ایسے نہیں ہو سکتا، یہ شرطیں باندھنے والے جو لوگ ہیں وہ اسلامی بات نہیں کر رہے، شرط باندھنا (توجوا ہے) یہ توجوا ہو گیا۔ یہ تو اسلامی چیز ہی نہ ہُوئی، اسلامی بات جو سیدھی صاف بات ہے وہ تو یہ ہے کہ کوئی آدمی دوسرے آدمی کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتا۔

کوئی کہتا ہے کہ مجھے اس کا مکان خریدنا ہے اتنے میں خریدنا ہے تم یہ کہو کہ میرا گمان یہ ہے کہ اتنے میں وہ نہیں دے گا یہ کہہ سکتے ہو، لیکن یہ قسم کھا لو کہ نہیں جی وہ اتنے میں دے گا ہی نہیں (یہ صحیح نہیں)، قسم کھانے کے بعد تو خود فکر ہو جائیگی آپ کو کہ پتہ نہیں قسم پوری ہوتی ہے یا نہیں۔

آدمی آدمی کے بارے میں اتنی بڑی بات نہیں کہہ سکتا تو خُدا کے بارے میں اتنی بڑی بات

کیسے کہہ سکتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا، (بلاشبہ اللہ تعالیٰ سارے ہی گناہ معاف فرما دیتے ہیں) اللہ تعالیٰ دعوت دے رہے ہیں کہ مجھ سے استغفار کرو، مجھ سے توبہ کرو گناہوں کی تو میں بخش دوں گا یہ وعدہ خود فرماتے ہیں رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ تمام چیزوں پر میری رحمت جو ہے وہ پھیلی ہوئی ہے، اور دُنیا میں یہی ہے ورنہ کافر بھوکے مر جائیں اور مسلمان آرام کریں، یہ ایسا ہوتا ہی نہیں بلکہ وہ سب کے لیے ہوتا ہے۔ ہوا سب کے لیے پانی سب کے لیے جو محنت کرے اس کے لیے پھل ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے۔ آخرت کی رحمت حاصل کرنے کا رستہ بھی ہر وقت کھلا ہے جب تک دنیا میں انسان اس زندگی میں ہے اس وقت تک کھلا ہے چاہے بُوڑھا ہو جائے، بیمار ہو اُٹھ نہ سکتا ہو ہل نہ سکتا ہو، ابھی مرا وہ نہیں توبہ کر سکتا ہے۔

جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس بندے کا یہ کہنا، قسم کھا کر کہنا ناپسند ہوا اور اُس نے بُرا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جب وہ پیش ہوئے وہاں فرمایا مَنْ ذَا الَّذِيْ يَتَأَلّٰى عَلَيَّ اَنِّيْ لَا اَغْفِرُ لِفُلَانٍ، کون ہے جو میرے بارے میں قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نہیں بخشوں گا فلاں کو، فَاِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ جس کے بارے میں اُس نے قسم کھائی تھی وہ پیش ہوا اور یہ (قسم کھانے والا) بھی پیش ہوا اور پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اُس کو بخش دیا۔ وَاَحْبَطْتُ عَمَلَكَ اور جو تُو نے کام کیے تھے، تیری نیکیاں یہ میں نے ضائع کر دی ہیں۔ وہ میرے نزدیک کسی قیمت میں نہیں۔ یہ تو ہوا وہ جو وہاں پیش آیا اور دُنیا میں ایسے ہُوا کرتا ہے کہ آدمی گناہ بہت کرتا ہے پھر اُسے اس پر ندامت ہوتی ہے پھر وہ توبہ کرتا ہے۔

جتنی بڑی توبہ ہو گی اتنا ہی بڑا اجر ہو گا

اور جتنی بڑی توبہ ہو گی اس کی، اتنا ہی بڑا اجر ہو جاتا ہے اگر اس کی توبہ بہت ہی بڑی ہے بہت ہی ندامت کے ساتھ ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کے گناہ جو ہیں وہ بھی نیکی بنا دیے جائیں جیسے کافر مسلمان ہو جاتا ہے تو اُس کے بارے میں بھی یہی حکم ہے اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا، توبہ کرے ایمان قبول کرے اور بعد میں نیک کام کرتا رہے فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ اُن کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دیتا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے

کہ اس (شخص) نے توبہ کی ہو ضرور اور ظاہر میں دُنیا میں یہ ہُوا ہو۔

۶۵ئہ کی جنگ کا ایک واقعہ

یہاں جو ۶۵ء کی لڑائی ہو رہی تھی تو اس میں یہاں ائیرپورٹ سے اُڑتے تھے کراچی اور پشاور سے جاتے تھے بمباری کرنے کے لیئے پشاور سے اُڑتے تھے وہ بمباری کرتے تھے۔ کراچی سے بھی اور اسی طرح اور جگہوں سے بھی مجھے ایک صاحب نے بتلایا کہ ایک پائلٹ تھا، اس کو ہم منع کرتے تھے کہ نہیں، اَب تم تھک گئے ہو اَب تم مَت جاؤ دوبارہ تو وہ کہتا تھا کہ نہیں مَیں جاؤں گا، اس پر اُڑتا تھا۔ میں جا سکتا ہُوں، مَیں جاؤں گا۔ کئی دفعہ منع کیا، وہ نہیں مانا، وہ اسی طرح کرتا رہا، ایک دن دو دن، وہ کہنے لگا اصل میں بات یہ ہے کہ مَیں نے گناہ بہت کیے اتنے گناہ کیے کہ اس کی تلافی جو ہے وہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ مَیں خُدا کی راہ میں مارا جاؤں پھر وہ گیا اسی طرح اور وہ شہید ہو گیا۔

یہاں دُنیا میں اس شخص کے ساتھ ایسے ہُوا ہو گا جس شخص کی بخشش فرمائی اور اِس (قسم کھانے والے) شخص کا یہ ہُوا ہو گا کہ ایسا آدمی جب نیکی کرتا ہے تو دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ ایسے بھی آپ کو ملیں گے لوگ، قِسم ہے یہ لوگوں کی کہ دوسروں کو حقیر جانتے ہیں، تم نے یہ نہیں کیا۔ تم نے یہ نہیں کیا، تم یہ نہیں کرتے، تم وہ نہیں کرتے، اپنے سے غافل دوسروں پر نکتہ چینی کرتا ہے یہ اللہ کو پسند نہیں، ایسا آدمی بڑھتے بڑھتے پھر فیصلے دینے لگتا ہے اور آگے بڑھ جاتا ہے کہ تُو تو ہے ہی ایسا، تُو تو رہے گا ہی ایسا، یہی غلط ہے، یہ بڑھتے بڑھتے ادھر پہنچ گیا، اس حد تک پہنچ گیا تو اللہ کی ناپسندیدگی میں جا پہنچا اور ایسے ہو گیا جیسے اپنے اعمالِ صالحہ پر ناز ہے اُسے۔

عمل پر ناز کرنا بہت بُری بات ہے

اور عمل پر ناز بہت بُری بات ہے بہت بُری علامت ہے، عمل پر ناز جو ہے وہ بہت بڑے بڑے صحابہ کرام جو گزرے ہیں اُن کے نزدیک بہت بری علامت رہی ہے وہ اس کو نہیں پسند کرتے تھے وہ کہتے تھے (عمل کے باوجود، عمل میں کوئی کوتاہی نہیں پھر بھی) خُدا کی رحمت ہی ہے اصل اِن کا نظریہ، یہ تھا۔

(باقی صہ ۲۱ پر)

(قسط: ۲۱)

غارِ ثور میں قیام اور ضروری انتظامات

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمدؒ میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ - اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

صرف دو تھے دو میں سے ایک اللہ کے رسول تھے جبکہ دونوں غار میں تھے اور اللہ کے رسول اپنے صاحب (ساتھی) سے کہہ رہے تھے غمگین نہ ہو۔ یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

انبیاء علیہم السّلام خُدا پر پُورا بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ اعلیٰ درجہ کے متوکل بلکہ آداب توکل کے معلم اور متوکلین کے امام و پیشوا ہوتے ہیں۔ اس غیر معمولی توکل اور اعتماد کے نتیجہ میں غیبی تائید اور نصرتِ خُداوندی کی وہ غیر معمولی صُورتیں بھی پیش آتی رہتی ہیں جو انھی کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں جن کو معجزہ کہا جاتا ہے۔ اس کے باوجود وُہ ظاہری اور مادّی اسباب کو نظر انداز نہیں کرتے کیونکہ وہ صرف خانقاہ نشین درویش نہیں ہوتے۔ ان کی زندگی صرف اُن کے لیے نہیں ہوتی وہ نوعِ اِنسان کے معلّم ہوتے ہیں اور اُن کی زندگی پُوری نوعِ انسان کے لیے سبق ہوتی ہے، مکان سے نکلتے وقت قدرت نے خاص طرح کی مدد کی مگر آپ نے اور آپ کے رفیقِ خاص نے روپوش رہنے اور خفیہ روانگی کا جو نظام قائم کیا تھا۔ وہ اُمّت کے لیے بہترین سبق ہے، اس کی تفسیر خاص طور پر قابلِ مطالعہ ہے۔

دارالندوہ کا وہ اجلاس جس میں آپ کے متعلق غیر معمولی تجویز منظور کی گئی اور مشترک طور پر شہید کرنے کا منصوبہ طے کیا گیا۔ وہ غالباً صُبح کے وقت ہُوا۔ اس کی اطّلاع بطور تائید غیبی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فوراً ہی ہوگئی[1] اور فوراً ہی آپ نے روانگی کی تیّاری شروع کردی۔

---

[1] ابن سعد کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ منصوبہ طے کر کے لوگ منتشر ہو گئے (اجلاس ختم ہوگیا) جبرئیل علیہ السّلام آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے۔ یہ خبر سُنائی اور کہا کہ آج کی شب اپنے اس بستر پر آرام نہ فرمائیں اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے یہاں پہنچے ج:۱، ص: ۱۵۳، اس تفصیل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اجلاس صبح کے وقت ہُوا۔

سیّدہ[1] عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا معمول یہ تھا کہ روزانہ صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لایا کرتے تھے، مگر صُبح یا شام کو۔ ایک روز ہم نے دیکھا کہ ٹھیک دوپہر کے وقت تشریف لا رہے ہیں۔ سر مُبارک پر کپڑا ڈالے ہُوئے ہیں چہرہ مُبارک کو بھی کچھ کپڑے سے چُھپائے ہُوئے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خبر دی گئی۔ فوراً حاضر ہُوئے۔ یارسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان یہ ناوقت تشریف آوری کیسی؟

ارشاد ہُوا۔ کچھ بات کرنی ہے۔ تنہائی ہونی چاہیے۔ کوئی غیر آدمی ہو تو اُسے ہٹا دو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ غیر کوئی نہیں۔ دو لڑکیاں ہیں۔ ایک آپ کی خادمہ عائشہ۔ دوسری اس کی بہن اسماء۔

فرمایا تمہیں معلوم ہے؟ مجھے ہجرت کی اجازت[2] مل گئی ہے۔

صدّیق اکبر۔ یہ خادم ساتھ رہے گا۔[3] آپ پر میرے ماں باپ قربان یارسول اللہ۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ بہت اچّھا۔

یہ اجازت ایسی بشارت تھی کہ فرطِ مسرّت سے حضرت اُبوبکر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مَیں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا کہ خوشی میں آنسو آجاتے ہیں۔[4]

---

[1] بخاری شریف ص: ۵۵۲ تا ۵۵۴۔ [2] یعنی آج یہ سفر اس لیے نہیں ہے کہ دُشمنوں نے قتل کا منصوبہ بنا رکھا ہے بلکہ اس لیے ہے کہ اَب تک ہجرت کی اجازت نہیں تھی آج مل گئی ہے اور اگر دارالندوہ کا اجلاس رات کے وقت ہُوا تھا تو اگرچہ اُس کی اطلاع آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فوراً مل گئی تھی مگر دوپہر تک آپ نے روانگی کا قصد اس لیے نہیں کیا کہ اب تک ہجرت کی اجازت نہیں ملی تھی۔ اب جیسے ہی اجازت ملی آپ نے تیّاری شروع کر دی۔ واللہ اعلم بالصواب [3] یہ ہے عشقِ رسول۔ اہل و عیال مال اور جائیداد وغیرہ کا کوئی تصوّر سامنے نہیں تھا۔ قلب مضطر کی تڑپ صرف یہ ہے۔ الصحابۃ بابی انت یارسول اللہ (بخاری شریف ص۵۵۲) آپ کی رفاقت۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان یارسول اللہ [4] سیرۃ ابن ہشام ص۲۹۱، ج:۱۔

پھر صدّیق اکبر نے عرض کیا۔ دو سانڈنیاں[1] تیّار ہیں۔ اُن میں سے ایک منظور فرمائیے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ ضرور۔ مگر قیمت[2] لینی ہو گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے بڑی تیزی سے سامانِ سفر کی تیّاری شروع کر دی اور جلدی جلدی میں جو ناشتہ[3] تیّار ہو سکتا تھا، وہ تیّار کر لیا۔ پھر ہم نے چمڑے کے تھیلے میں ناشتہ بھر دیا۔ ایک مشکیزے میں پانی بھر دیا، لیکن تھیلے کا مُنہ بند کرنے کے لیے کپڑے کی ضرورت تھی اور مشکیزے میں بھی تسمہ نہیں[4] تھا۔ جس سے اُس کو اُٹھایا جا سکے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی ہمشیرہ (حضرت اسماء رضی اللہ عنہا) نے فوراً اپنے نِطاق[5] کے دو حصّے کر[6] لیے ایک میں کھانے کا تھیلا باندھ دیا۔ دوسرے میں مشکیزہ باندھ دیا تاکہ اُس کو اُٹھایا جا سکے۔

روانگی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم دولت کدہ سے روانہ ہو کر حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یہاں پہنچے۔ پھر یہ دونوں مکان کی پشت کی طرف[7] سے کھڑکی سے نکل کر کوہِ ثور کی طرف روانہ ہو گئے جو مکّہ معظّمہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے اور جس کی چوٹی پر یہ غار ہے جس نے غارِ ثور کے نام سے غیر فانی شہرت حاصل کی۔

---

[1] یہ پہلے گزر چکا ہے کہ صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ چار ماہ پہلے یہ سانڈنیاں خرید چکے تھے اور اس خیال سے کہ نہ معلوم کس وقت حکم ہو جائے ان اُونٹنیوں کو چرواہے کے سُپرد نہیں کیا تھا بلکہ گھر پر کھڑا کر کے ان کو چارہ کھلاتے رہے تھے۔ [2] واقدی کی روایت یہ ہے کہ ان دونوں کی قیمت آٹھ سو درہم تھی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو سانڈنی منظور فرمائی وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنی قشیر سے خریدی تھی اس کا نام قصواء رکھا گیا۔ یہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سواری میں آخر تک رہی اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد بہت کم زندہ رہی۔ حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اُس کی زندگی کا خاتمہ ہُوا۔ فتح الباری ص: ۱۸۷، ج: ۷

[3] پراٹھے نہیں تھے صرف اُبلا ہُوا یا بُھنا ہُوا بکری کا گوشت تھا۔ (فتح الباری بحوالہ واقدی ص: ۱۸۸، ج: ۷۔

[4] لیس فیھا عصام (سیرۃ ابن ہشام ص: ۲۹۲، ج: ۱) [5] نطاق خاص قسم کا تہبند ہوتا تھا اس کا عرض تقریباً ڈھائی میٹر (۹۰ انچ) ہوتا تھا۔ اس کو بیچ میں سے باندھ دیا جاتا۔ پھر اُوپر کا حصّہ نیچے لٹکا دیا جاتا جس سے یہ دہرا ہو جاتا تھا مجمع البحار و فتح الباری ص ۱۸۸، ج ۷، [6] یہ ایثار عند اللہ مقبول ہُوا، چنانچہ آپ کا خطاب ذات النطاقین ہو گیا۔ (بخاری شریف، ص: ۸۱۱) [7] سیرۃ ابن ہشام ص ۲۹۱، ج: ۱، البدایہ والنہایہ، ص ۱۷۹، ج: ۳۔

جب آپ روانہ ہوئے تو یہ دُعا زبانِ مبارک[1] پر تھی۔

اَلْحَمْدُ[2] لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ وَلَمْ اَكُ شَيْئًا اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی هَوْلِ الدُّنْيَا وَبَوَائِقِ الدَّهْرِ وَمَصَائِبِ اللَّيَالِیْ وَالْاَيَّامِ۔ اَللّٰهُمَّ اصْحَبْنِیْ فِیْ سَفَرِیْ وَاخْلُفْنِیْ فِیْ اَهْلِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِيْمَا رَزَقْتَنِیْ وَلَكَ فَذَلِّلْنِیْ وَعَلٰی صَالِحِ خُلُقِیْ فَقَوِّمْنِیْ وَاِلَيْكَ رَبِّ فَحَبِّبْنِیْ وَاِلَی النَّاسِ فَلَا تَكِلْنِیْ رَبَّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّیْ اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَكُشِفَتْ بِهِ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اَنْ تُحِلَّ عَلَیَّ غَضَبَكَ وَتُنْزِلَ بِیْ سَخَطَكَ۔ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ لَكَ الْعُقْبٰی عِنْدِیْ خَيْرَ مَا اسْتَطَعْتُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص۲۹۱ ج۱ البدایۃ والنہایۃ ص۱۳۵ ج۳ [2] ترجمہ۔ اس خدا کی حمد جس نے مجھے پیدا کیا، درآنحالیکہ میں کچھ بھی نہیں تھا (مجھے نیست سے ہست کیا) اے اللہ میری مدد فرما، دُنیا کی دہشت، زمانہ کے ہلاکت انگیز واقعات رات اور دنوں (گردش روز و شب) کی مصیبتوں کے مقابلہ پر اے اللہ تو میرا ساتھی بن۔ میرے سفر میں اور میرا قائم مقام بن میرے اہل وعیال میں میرے بعد (میری غیبوبت میں تو اُن کا محافظ اور نگران رہ) اور اے اللہ جو تو مجھ کو رزق دے اس میں برکت عطا فرما اور اے اللہ صرف اپنی ذات کے لیے ہی ایسا کر کہ مجھے اپنا مطیع اور اپنے سامنے عاجز بنا کسی اور کے سامنے مجھے عاجز اور ذلیل نہ کر اے اللہ نہایت صالح اور مناسب اعمال پر میری تربیت فرما۔ افعالِ خیر کے بہترین سانچے میں مجھے ڈھال دے اور اے میرے رب صرف اپنی طرف کی محبّت ہی میرے اندر بھر دے اور جہاں تک انسانوں کا تعلّق ہے اے اللہ مجھے تو اُن کے حوالے مت کر۔ اے کمزوروں کے رب تو ہی میرا رب ہے میں تیری اس باعزّت ذات کی (جس کی برکت سے آسمان اور زمین روشن ہیں اور جس سے تمام تاریکیاں فنا ہو جاتی ہیں اور جس کے فضل وکرم سے پہلے لوگوں اور بعد والوں کا سب کا معاملہ دُرست ہُوا) پناہ لیتا ہُوں اس سے کہ میرے اُوپر تیرا غضب اور تیری ناراضگی نازل ہو۔ میں تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تیرا انعام مجھ کو نصیب نہ ہو یا اس سے کہ تیرا عتاب دفعۃً مجھ پر نازل ہو جائے اور پناہ چاہتا ہُوں اس سے کہ تیری معافی جو مجھے میسّر ہے اس میں تبدیلی آجائے اور مَیں ایسی ہر چیز سے پناہ چاہتا ہوں جو تیری ناراضی کا سبب ہو، انجام کار تیرے ہی لیے ہے مَیں جہاں تک میرے امکان میں ہے خیر اور بھلائی ہی کی کوشش کرتا ہوں (مگر) تیرے بغیر نہ کوئی طاقت ہے نہ کوئی قوّت ہے جو کچھ قوت وطاقت ہے وہ تجھ سے ہی ہے۔

ایک روایت[1] یہ بھی ہے کہ آپ نے یہ دُعا فرمائی تھی۔

اَللّٰھُمَّ اَخْرَجْتَنِیْ مِنْ اَحَبِّ الْبِلَادِ اِلَیَّ فَاَسْکِنِّیْ فِیْ اَحَبِّ الْبِلَادِ اِلَیْکَ

اے اللہ تُو نے مجھے اس شہر سے نکالا ہے جو مجھے تمام شہروں میں سب سے محبوب تھا تو اَب میری سکونت اس شہر میں فرما جو تجھ کو سَب سے زیادہ محبُوب ہو۔

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ ساتھ تھے مگر جذبۂ بیتاب قابلِ دید تھا، کبھی آگے چلتے کبھی پیچھے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دریافت فرمایا تو عرض کیا یا رسول اللہ آگے چلتا ہُوں کہ حضور کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ خیال آتا ہے کہ شاید پیچھے سے تعاقب کرنے والے نہ پہنچ جائیں تو پیچھے ہو جاتا ہُوں رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تمہیں اپنی جان کا خطرہ نہیں ہے۔ عرض کیا حضرت وہ تو قربان ہونے کے لیے ہی ہے۔[2]

راستہ طے ہُوا۔ غار کے کنارے پہنچے تو عرض کیا۔ حضرت ذرا توقف فرمائیں۔ حضرت ابوبکر غار کے اندر اُترے۔ صاف کیا۔ پھر آقائے دوجہان (صلّی اللہ علیہ وسلّم) سے عرض کیا تشریف لائیے۔

اُن کو کیا فکر جن کا ساتھی اللہ ہو

سو اُونٹ کا انعام جو قریش کی طرف سے مقرر کیا گیا تھا۔ معمولی نہیں تھا۔ مکّہ والوں کی بہت سی ٹولیاں انعام کے شوق میں دوڑ پڑیں۔ کچھ ٹولیاں اس طرف بھی آئیں۔ ایک ٹولی غار کے قریب پہنچی تو وہاں سے کبوتر اُڑے۔ ٹولی آگے نہیں بڑھی کہ یہاں اگر ہوتے تو کبوتروں کا یہاں کیا کام تھا۔ غار کے مونھ پر جھاڑ تھا۔ ایک ٹولی جھاڑ کے قریب تک پہنچی اُس نے دیکھا کہ جھاڑ پر مکڑی کا جالا تنا ہُوا ہے۔ وہ جالا دیکھ کر واپس ہو گئی[3] ایک ٹولی اور چڑھی اور غار کے کنارے کے اُوپر سے اس طرح گزر گئی کہ سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے اُن کے پاؤں دیکھے۔ یہ ٹولی گزر چکی تو حضرت صدّیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

لَوْ اَنَّ اَحَدَ ھُمْ نَظَرَ اِلٰی — اگر ان میں سے کوئی اپنے پیروں پر نظر

---

[1] البدایہ والنہایہ ص: ۲۰۵، ج: ۳ [2] دلائل النبوت للبیہقی بحوالہ فتح الباری۔ ص: ۱۸۹، ج: ۲،

[3] طبقات ابن سعد جلد اوّل، ص: ۱۵۴۔

قَدَمَيْهِ لَاَبْصَرَنَا　　ڈالتا تو ہمیں دیکھ لیتا۔

یہ نبی کا اطمینان و اعتماد تھا کہ برجستہ جواب دیا۔

اُسْکُتْ یَا اَبَابَکْرٍ اِثْنَانِ اللّٰہُ ثَالِثُھُمَا[۱]　　خاموش رہو ابوبکر، ہم دو ہمارا تیسرا اللہ ہے۔

وَفِی رِوَایَۃٍ مَاظَنُّکَ یَا اَبَا بَکْرٍ بِاِثْنَیْنِ اللّٰہُ ثَالِثُھُمَا[۲]　　ایک روایت میں یہ ہے۔ ابوبکر، ان دو کے متعلق تم کیا گمان رکھتے ہو جن کا تیسرا اللہ ہے

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ زحمت[۳] سفر۔ صدیق اکبر کی رفاقت اور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعتماد بارگاہ رب العزت میں قبول ہُوا۔ چنانچہ سورہ توبہ کی اس آیت (مذکورہ عنوان) میں اس کا ذکر فرمایا گیا۔

بقیہ: درسِ حدیث

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے بڑے صحابۂ کرام جو لائق تقلید ہیں اُن کی سُنّت میں یہ داخل ہے کہ انھوں نے کبھی کوتاہی نہیں کی ادنٰی چیز میں بھی، اس کے باوجود وہ کہتے تھے کہ ہم نے کچھ نہیں کیا اور ہمارا عمل اللہ کو پسند ہو تو وزن ہے اس میں، نہ پسند ہو اگر تو کچھ بھی نہیں، اصل ہے خُدا کی رحمت، تو اگر کوئی آدمی اپنے عمل پر ناز کرنے لگے یا عمل کرے اور ریا کاری کرے، دونوں چیزیں غلط ہیں۔ اِن کے نتائج غلط ہیں اور اس میں بڑائی پیدا ہوتی ہے۔ بڑائی پیدا ہُوئی اور چھوٹا کیا اللہ نے، اس کے دل میں، اِدھر بڑائی پیدا ہُوئی اُدھر خُدا کے ہاں اُسے چھوٹا بنا دیا گیا۔

حضور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُس سے ارشاد فرمایا کہ اَحْبَطْتُّ عَمَلَكَ، مَیں نے تیرا عمل جو تھا وہ ساقط اور بے اعتبار کر دیا، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ کوئی وزن نہیں۔

اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ عطا فرمائے، صحیح راہ پر قائم رکھے اور اپنی مرضیات کی توفیق دے، جن اعمال سے وہ راضی ہے اُن اعمال پر ہمیں زندگی اور موت دے۔

---

[۱] بخاری شریف، ص: ۵۵۸　[۲] ایضًا ص: ۵۱۶ و فتح الباری

[۳] یہ خیال رکھنا چاہیے کہ یہ سفر اور غار میں قیام ستمبر کے مہینہ میں ہُوا جو سخت گرمی کا مہینہ ہوتا ہے۔

سیّد سلمان گیلانی

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

لگتا ہی نہیں گھر میں مِرا جی کسی صُورت
پہنچا دے مدینے میں الٰہی کسی صُورت

ہر نعت کی تکمیل بنا دیتی ہے آسان
جَب طبع رواں ہو نہیں رُکتی کسی صُورت

پڑھتا ہُوں درود اس لیے مَیں اوّل و آخر
رَد ہو نہ دُعا کوئی بھی میری کسی صُورت

یا دَر پہ بُلا لیں مجھے یا خواب میں آجائیں
دے دیں دِل مضطر کو تسلّی کسی صُورت

بستی ہے تِری یاد سے بستی مِرے دِل کی
بسْتی نہ کبھی ورنہ یہ بستی کسی صُورت

مَیں کرنے کو قرباں لیے پھرتا ہُوں دِل و جاں
اس دھن میں کہ ہو جائیں وہ راضی کسی صُورت

سیرت ہو ہماری تِری سیرت کے مطابق
صُورت نکل آئے کوئی ایسی کسی صُورت

دن رات برستے ہیں مِری آنکھوں سے آنسو
پر آگ نہیں ہجر کی بُجھتی کسی صُورت

پھر اس پہ نچھاور کروں میں اشکوں کی لڑیاں
پھر سامنے روضے کی ہو جالی کسی صُورت

سلمان کو اِس کرب کے طوفاں سے بچا لے
ڈُوبے نہ محبّت کی یہ کشتی کسی صُورت

(قسط:۲ آخری)

استاذ الحدیث دار العلوم دیوبند حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی دامت برکاتہم کا جامعہ مدنیہ میں

خطابِ لاجواب

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے صاحبزادے استاذ الحدیث دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی مدظلہ العالی حرمین شریفین سے ہندوستان واپس جاتے ہوئے چند روز کے لیے پاکستان تشریف لائے، مورخہ ۱۶ شوال المکرم ۲۹ مارچ بروز منگل لاہور پہنچے اور حسبِ عادت جامعہ میں قیام فرما ہوئے، مہتمم جامعہ حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب نے تقریر کرنے کے لیے اصرار کیا جسے آپ نے قبول فرمایا اور عشاء کے بعد مدرسہ کے صحن میں کثیر تعداد میں موجود علماء طلباء اور عوام کے سامنے تقریر فرمائی، یہ تقریر انتہائی بلیغ اور مؤثر تھی اس میں آپ نے اُمّت کو پیش آنے والی عام بیماریوں (حسد اور بغض) سے آگاہ فرماکر اس سے بچنے کی تلقین فرمائی قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جس وقت آپ کا تعارف پیش کیا جارہا تھا آپ سٹیج پر موجود نہ تھے، فوراً ہی تشریف لے آئے اور تعارف کروانے والے سے معذرت کے ساتھ مائیک لے کر بغیر کسی تصنع بناوٹ کے انتہائی سادگی کے ساتھ تقریر شروع فرمادی جو تقریباً سوا گھنٹے جاری رہی، آپ کی یہ تقریر کیسٹ سے نقل کرکر نذرِ قارئین کی جارہی ہے۔ (ادارہ)

دوسری چیز بَغْضَاءْ

دوسری چیز ہے بَغْضَاءْ، دُشمنی، انسان کو کسی دوسرے انسان سے دُشمنی، یہ وہ بیماریاں ہیں جن کو چودہ سو سال پہلے جنابِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرما رہے ہیں دَبَّ اِلَیْکُمْ اَوْ دَبَّ فِیْکُمْ بس یہ لگی چاہتی ہیں آ رہی ہیں، تمہارے اندر لگ رہی ہیں یہ بیماریاں، آپ اگر غور کریں گے تو یہ وہ بیماریاں ہیں کہ شاید و باید کوئی خاندان ان سے محفوظ ہو کوئی گھر محفوظ ہو اور آبادیاں تو اس طرح اس بیماری کا شکار ہیں کہ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ثُمَّ الْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اس لیے دوسری چیز فرماتے ہیں بَغْضَاءْ۔

نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام احادیث کے اندر فرماتے ہیں لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا دیکھو حسد بھی مت کرو ایک دوسرے کے ساتھ دُشمنی بھی مت کرو کیوں؟

اس لیے کہ اسلام نے تو تمہیں ایک لڑی کے اندر پرویا ہے۔

اسلام تو محبّت پیدا کرنے کے لیے آیا ہے

اسلام تو تمہارے دِلوں میں ایک دوسرے سے محبّت پیدا کرنے کے لیے آیا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام آئے تو قبائل میں ایسے اختلاف تھے کہ جو سو سو سوا سو سال سے (موجود تھے اور اُن کی) بُجھ نہیں رہی تھی آگ۔ نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام، اسلام کی نعمت کو لے کر کے آئے تو ایسا اللہ نے دلوں کے اندر الفت اور محبّت کو پیدا فرما دیا کہ دُنیا نے اس کی نظیر نہیں دیکھی اسی کو قرآن فرماتا ہے ھُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ۔ اُن کے دلوں کے اندر اللہ نے الفت و محبّت کو پیدا فرمایا۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ دوسری چیز ہے بغض دشمنی، کیوں؟ اس لیے کہ اس دُشمنی کے اندر ہر ایک دوسرے کی عزّت کا، آبرو کا، دوسرے کی جان کا پیاسا ہوتا ہے، جب بات کہے گا تو دوسرے کی ذلّت و رسوائی کا پہلو ہوگا جب اسکے بارے میں سوچے گا بُرا ہی سوچے گا جب اسکے بارے میں تدبیر کریگا بُری ہی تدبیر کریگا، یہ وہ دُشمنی ہے جس دُشمنی نے اُمّتوں کو ختم کر دیا اسی کو قرآن کہتا ہے وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ دیکھو آپس میں لڑائی جھگڑا مت کرو جس کی بُنیاد بغض و عناد ہوتی ہے اور اگر تم لڑائی جھگڑا کرو گے تو یاد رکھنا کہ فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ تم پھسل جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور مسلمان اسی ذلّت و رسوائی کا دُنیا بھر کے اندر شکار ہے، کیوں اس لیے کہ قلوب کے اندر اُلفت نہیں ہے۔ نفرت ہے آپ اس کو دیکھ لیجیے آپ قدم قدم کے اُوپر یہی چیز دیکھیں گے۔ اپنے دِلوں کو ٹٹول لیجیے، اپنی آبادیوں کو ٹٹول لیجیے، قبائل کو ٹٹول لیجیے، جماعتوں کو ٹٹول لیجیے کہیں آپکو حسد اور بغض سے پاک لوگ (نہیں ملیں گے) اور نتیجہ اس کا کیا ہے؟ کہ اللہ کی رحمت سے محرومی ہے اور ایسی ذلّت و رسوائی ہے کہ اس کا کوئی حد و حساب نہیں ہے، نہ مسلمان کے خُون کی کوئی قیمت ہے نہ عزّت و آبرُو کی کوئی قیمت ہے، کسی چیز کی کوئی قیمت نہیں ہے کیوں؟ اس لیے کہ مُسلمانوں کے دل آپس میں جُڑے ہُوئے نہیں اس کو فرماتے ہیں بَغْضَاءَ دوسرے کے ساتھ دُشمنی، یہ دُشمنی ایسی چیز ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں کہ جب دُشمنی ہے اور ایک دوسرے سے مُنہ موڑے ہُوئے ہیں۔ خدا کی رحمت

سے محرومی ہے۔

پیر اور جمعرات کو بندوں کے اعمال اللہ کے حضور پیش ہوتے ہیں

نبیٔ کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد ہے کہ ہر ہفتہ میں دو دِن اپنے اللہ کے سامنے اس کے بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور ایک حدیث کے اندر ہے کہ دو دن پیر اور جمعرات کے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف فرماتے ہیں، لیکن جن کے دِلوں کے اندر بغض ہوتا ہے، نفرت ہوتی ہے، دُشمنی ہوتی ہے فرماتے ہیں رکھو انہیں، ابھی ان کی مغفرت نہیں ہے جب تک ان کے دِل پاک نہیں ہو جاتے اس دُشمنی سے، کدورت سے، عناد سے اس وقت تک ان کے لیے مغفرت کا دروازہ بند ہے۔ اگر توبہ کی توفیق ہو گئی فَبِهَا وَ نَعِمَ نہیں ہوئی توبہ کی توفیق تو یہ خُدا کی مغفرت کا دروازہ اس انسان کے لیے بند ہے۔ کہاں سے خُدا کی رحمت ہو اگر اُترتی بھی ہو گی تو اُٹھ جائے گی۔

دو آدمیوں کی لڑائی کے سبب شب قدر کی تعیین اُٹھا لی گئی۔

حدیث کے اندر آتا ہے رمضان میں ایک رات ہوتی ہے سب جانتے ہیں۔ شب قدر، شبِ قدر کے بارے میں، مختلف مذہب اور زیادہ قوی یہ ہے کہ اخیر عشرہ کے اندر جو طاق راتیں ہوتی ہیں اُن میں سے کسی بھی رات کسی رمضان کے اندر کوئی رات کسی میں کوئی رات شب قدر کی ہوتی ہے، یہ ایک مسلک ہے اس سلسلے کے اندر نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس رات کی تلاش میں پہلے عشرہ کا اعتکاف کیا لیکن وہ رات نہیں آئی تو دوسرے عشرہ کا اعتکاف کیا اس میں نہیں آئی تو تیسرے عشرہ کا اعتکاف کیا اور فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ اس تیسرے عشرہ میں آئے گی ضرور، اس لیے کہ آنا تو ہے رمضان میں حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ایک رمضان میں نبیٔ کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو باخبر کیا گیا اللہ کی طرف سے کہ فلانی رات شب قدر ہے، حدیث میں آتا ہے کہ آپ باہر نکلے کہ آپ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بتا دیں کہ فلانی رات شب قدر ہے، کیوں؟ اس لیے کہ وہ لوگ اللہ کی عبادت کر کے خُدا کی رحمت کے مستحق بن سکیں، اس لیے آپ باہر نکلے بتانے کے لیے حدیث میں آتا ہے دو آدمی آپس میں لڑ پڑے کسی چیز کے اُوپر اور نبیٔ کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اُن کی لڑائی کو ختم کرنے کے

لیے درمیان میں پڑے فرماتے ہیں کہ یہ دو آدمیوں کا لڑنا اللہ کو اتنا ناپسند ہوا کہ وہ جو شب قدر اُتر رہی تھی اُسے اُٹھا لیا گیا یہ کن کا لڑنا؟ دو آدمیوں کا لڑنا، اب آپ سوچیے کہ جہاں خاندان کے خاندان لڑ رہے ہوں گے آبادیوں کی آبادیاں دُشمنی کا شکار ہوں گی وہ خُدا کی رحمت سے کیسے ہمکنار ہو جائیں گی؟ یہ مسلمان کی بدقسمتی ہے کہ وہ جہاں ہے جس ملک میں ہے جس شہر کے اندر ہے دل کے اندر محبّت اور اُنس نہیں ہے ہر ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار ہے کبھی خُدا کی رحمت سے ہمکنار نہیں ہو سکتا، نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد ہے زمین و آسمان ٹل سکتا ہے مگر خدا اور اس کے رسول کا کہا نہیں ٹل سکتا۔ رحمت کے تو لچھن ہیں۔ طریقے ہیں اسباب ہیں اُن اسباب کو اختیار کیا جائے گا خُدا کی رحمت اُترے گی، اُن اسباب کو اختیار کیا جائے گا جو خُدا کی رحمت سے دُور کرنے والے ہیں۔ خُدا کی رحمت سے دُوری ہو گی اس لیے ارشاد فرما رہے ہیں اَلَا وَھُوَ الْحَسَدُ وَالْبُغْضَآءُ حسد اور بغض ایسی چیز ہے کہ جو انسان کو خُدا کی رحمت سے دُور کرنے والی ہے اور یہ بغض دیکھ لیجیے کہ یہ دو آدمیوں کی لڑائی ایک ایسی رات کہ جس کو قرآن یہ کہتا ہے کہ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے، لیکن صرف دو آدمیوں کی لڑائی کی وجہ سے اُٹھ گئی اس لیے کہ دُشمنی ہے کہ انسان ایک دوسرے کی آبرو کے پیچھے پڑا ہُوا ہے جان کے پیچھے پڑا ہُوا ہے اور عجیب حال ہے یعنی آپ اگر خاندانوں کو دیکھیں وہ لوگ جو بڑے دبدبے اور عزّت کے اندر رہتے تھے صرف آپ اگر دیکھیں گے آج اُن محلات کی اینٹیں رکھنے والا نہیں ہے کوئی، اولاد ہے لیکن ایسی کسمپرسی کے اندر ہے کہ نانِ شبینہ کی محتاج ہے کیوں؟ مقدمہ بازی ہے، دُشمنی ہے حسد ہے ایک دوسرے کی عزّت و آبرو کے پیچھے پڑا ہُوا ہے۔ یہ وہ اسباب ہیں جنھوں نے عزّت و آبرو آباؤ اجداد کی خاک میں ملا دی یہ دُنیا کے اندر ہے۔ ہر آدمی دیکھتا ہے اس کو ہی نہیں بلکہ ایک ماں کی چھاتی سے دُودھ پینے والے بھائی بھائی اور ایک دوسرے کی جان کے پیچھے پڑے ہُوئے ہیں، یہ آئے دن دُنیا کے اندر ہوتا ہے اور میرے بھائی یہ کس کا نتیجہ ہے؟ دُشمنی کا۔

ایک مومن کا دوسرے مومن کو قتل کرنا اللہ کے انتہائی غصہ کا سبب ہے

اور مومن کا مومن کو قتل کرنا یہ تو العیاذ باللہ خُدا کو اس کے اُوپر اتنا غصّہ ہے اتنا غصّہ ہے کہ وہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا

ہے ، اللہ قرآن کے اندر فرماتا ہے وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءُہٗ جَھَنَّمُ جس نے جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کر دیا کتنا غصّہ ہے ؟ فرماتے ہیں کہ فَجَزَاءُہٗ جَھَنَّمُ اس کا بدلہ جہنم ہے۔ اتنی بُری جگہ ہے مگر غصّہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا ہے خَالِدًا فِیْھَا فرماتے ہیں ہمیشہ جہنّم میں رہے گا غُصّہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا ہے فرماتے ہیں وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ اور خُدا کا غضب ہے اس کے اُوپر ابھی ٹھنڈا نہیں فرماتے ہیں وَلَعَنَہٗ اور خُدا نے اُس کو ملعون ٹھہرا دیا وَاَعَدَّلَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا اور فرماتے ہیں بڑا بھیانک دردناک عذاب تکلیف دہ اس کے لیے تیّار کر رکھا ہے کیوں ؟ اس لیے کہ مومن کو قتل کر دیا۔ اللہ اکبر کسی صاحب ایمان کو قتل کرنا یہ تو بہت بڑا، لیکن کیا سبب ہے ؟ صرف ایک سبب وہی حسد اور بغض اس لیے بڑی بُری چیز ہے ایسی بُری چیز ہے اور سبب اس کا کیا ہے وہی جو دو بیماریاں نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمائی ہیں اَلَا وَھُوَ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ، اس کو مٹانا چاہیے اگر نہیں مٹایا جائے گا تو خُدا کے رسول نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ ٹل نہیں سکتا۔ خُدا کی رحمت کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بغض وعناد اور دُشمنی اور حسد کو دُور کیا جائے۔ خُدا نے اسلام کی نعمت سے نوازا ہے ایمان عطا فرمایا ہے پھر بغض وعناد کیا، اگر ہے تو اس کو دُور کرنا چاہیے اس لیے کہ اگر یہ کسی خراب نتیجہ تک پہنچ گیا تو اس کے اندر خیر نہیں ہے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ کا ایک شخص کو قتل کر دینے کا واقعہ

ایک واقعہ آتا ہے حدیث کے اندر حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بن حارثہ کا، نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو باپ بیٹے دونوں سے بڑا تعلّق تھا اسامہ سے بھی اور اسامہ کے والد زید بن حارثہ سے بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسامہ بن زید کو ایک لشکر کے اندر بھیجا۔ دُشمنوں کی سرکوبی کے لیے وہاں، جب وہاں پہنچے تو حدیث کے اندر آتا ہے کہ ایک شخص باہر ملا اُس قوم کا جس کے مقابلے کے لیے جن کی سرکوبی کے لیے اس لشکر کو بھیجا گیا تھا۔ وہ کچھ بکریاں چراتا تھا جانور، آگے بڑھا اور اُس نے کہا السلام علیکم یہ السلام علیکم یہ علامت تھی اس بات کی کہ یہ صاحبِ ایمان ہے اس نے کہا السلام علیکم یہ کلمہ تو مومن کا کلمہ ہے۔ اسامہ آگے بڑھے اور تلوار سے قتل کر دیا، ساتھیوں نے کہا کہ اسامہ تم نے اسے قتل کیوں کر دیا ؟ اُس نے تو

سلام کیا تھا۔ اسامہ نے کہا کہ سلام تو اس نے کیا تھا مگر اس کے دِل کے اندر ایمان نہیں تھا اس نے تو اپنی جان اور ان بکریوں کے مال کی حفاظت کے لیے اپنے اسلام کا اظہار کیا اس کے دل کے اندر اسلام نہیں تھا، ساتھیوں نے کہا نہیں اسامہ اس کا کیا حق پہنچتا تھا جب اس نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تم کون تھے اسے قتل کرنے والے؟ اسامہ نے کہا نہیں! اس کے دل کے اندر اسلام نہیں تھا۔ کہا اچھا اس کا فیصلہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے سامنے ہوگا، چنانچہ جب واپس گئے تو جاکے نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ ایسا ایسا واقعہ پیش آیا اور ایک شخص آگے بڑھا اور اُس نے سلام کیا اور اسامہ نے اس کو قتل کر دیا۔ اسامہ نے کہا کہ یارسول اللہ واقعہ تو صحیح ہے جو یہ کہہ رہے ہیں ایسے ہی ہے لیکن یارسول اللہ اس کے دل کے اندر ایمان نہیں تھا اس نے تو اپنے ایمان کا اظہار اپنی جان اور مال کی حفاظت کے لیے کیا۔ ہمارا لشکر تھا اور وہ تنہا تھا۔ مقابلہ تو کر نہیں سکتا تھا اُس نے اس میں عافیت سمجھی کہ اسلام کا اظہار کرے سلام کرکے اُس کے دل کے اندر ایمان نہیں تھا فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو ایسا غصّہ آیا کہ چہرۂ انور کا رنگ بدل گیا اور فرمایا هَلْ لَا شَقَقْتَ قَلْبَهٗ تم نے اس کے دل کو چیر کر دیکھا تھا، کیوں نہیں دیکھا دل چیر کر کے ایمان، کیا یہ ممکن تھا اور ایک دوسری روایت کے اندر فرمایا فَكَيْفَ اِذَا جَآءَ بلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اسامہ جب قیامت کے دن وہ اللہ کے دربار میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کو لے کر آئے گا کہ الٰہ العالمین اس کلمہ کی پناہ میں بھی اسامہ سے پناہ نہیں ملی، اس کلمہ کے دامن میں بھی، اسامہ سے پناہ نہیں مل سکی تو تم اللہ کو کیا جواب دوگے؟ یہ کیوں؟ اس لیے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے کہنے والے کو قتل کرنے کا حق نہیں ہے۔ مسلمان کا تو یہ حال ہے کہ ایک دوسرے کی عزّت وآبرو کے پیچھے پڑا ہُوا ہے ساری دُنیا کا یہ حال ہے کہیں کسی خاص مُلک کا نہیں ہر جگہ عزّت و آبرو کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور خدا کی رحمت سے محروم ہے یہ وہ اسباب ہیں کہ خیر ہے نہ برکت ہے نہ رحمت ہے اللہ کی، نہ ایک دوسرے کے دُکھ درد کے اندر شریک ہیں کیوں؟ اس لیے کہ حسد و بغض کا شکار ہیں کہاں سے خُدا کی رحمت ہوجائے؟ کہاں سے خیر و برکت ہوجائے؟ اس لیے کہ قتل اور خیر و برکت یہ دو چیزیں جمع نہیں ہوسکتیں۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ کی کھجوروں سے برکت ختم ہوجانے کا عجیب واقعہ

ایک حدیث کے اندر بڑا عجیب وغریب واقعہ ہے (آپ نے سُنا ہوگا)، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حدیث کے اندر، ابوہریرہ رضؓ ایک صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ مَیں تھوڑی سی کھجوریں نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں لے گیا اور مَیں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ان کی برکت کی دُعا فرما دیجیے کہ ان کھجوروں کے اندر برکت ہوجائے حدیث کے اندر آتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کھجوروں کو اپنے ہاتھ کے اندر لیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کتنی کھجوریں ہوں گی؟ دس پانچ ہوں گی۔ کھجوریں، نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے دست مُبارک کے اندر لیا اور ابوہریرہؓ کو دے دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ ابوہریرہ اس کو اپنی مِزْوَدْ کے اندر رکھ لو، زاد کہتے ہیں توشہ کو، توشہ دان، اپنی مزود کے اندر، اس وقت کیا تھا کوئی ایسے توشہ دان تو نہیں ہوتے تھے اسٹیل کے بنے ہوئے جیسے اس زمانے کے اندر ہوتے ہیں، چمڑے کی ایک چھوٹی سی بنی ہُوئی جیسے بٹوہ ہوتا ہے اس انداز کی چیز تھی ابوہریرہؓ نے ان کھجوروں کو اس کے اندر رکھ لیا یہ فرمایا کہ اس کے اندر رکھ لو اور یہ ارشاد فرمایا کہ بوقتِ ضرورت، ضرورت کے مطابق اس کے اندر سے نکالتے رہنا مگر اس کو خالی مت کرنا، کبھی اس کو پلٹنا مت ابوہریرہؓ یہ کہتے ہیں کہ مَیں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ارشاد کے مطابق ان کھجوروں کو اس مِزْوَدْ کے اندر رکھ لیا اور مَیں اسکو اپنی کمر سے باندھے رہتا تھا کہیں یہ دُور نہ ہوجائے کہیں یہ خیر و برکت اُٹھ نہ جائے ابوہریرہؓ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ پچیس چھبیس سال تک ابوہریرہؓ اس میں سے کھجوریں نکالتے رہے۔ خود فرماتے ہیں آج کل کے حساب کے اعتبار سے منوں کوئنٹلوں کھجوریں نکال لیں میں نے اس کے اندر سے اور وہ خود کھاتے تھے اور صدقہ کرتے تھے، جو ضرورت مند ہوتے تھے اُنہیں دیتے تھے، فرماتے ہیں کہ پچیس چھبیس سال تک کھجوریں نکالتے رہے اب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت ختم ہُوا، حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت دو سال اور کچھ ماہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت کم و بیش دس سال، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت کم و بیش بارہ سال یہ ملا کر تقریباً چوبیس سال ہوتے ہیں چوبیس سال تک ابوہریرہؓ کی

کمر سے وہ مِزوَد بندھا ہُوا ہے اور ابوہریرہؓ اس میں سے کھجوریں نکالتے ہیں اور کھاتے ہیں اور ضرورت مند ہوتا ہے جو آدمی اسے بھی دیتے ہیں، فرماتے ہیں وہ دن جس دن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل ہُوا ہے جب وہ محصور تھے گھر کے اندر اور لوگ اُنہیں قتل کرنا چاہتے تھے

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا باغیوں سے خطاب

عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے اور اُنھوں نے ان لوگوں کو سمجھانا چاہا اور کیا سمجھایا؟ بڑے عجیب وغریب انداز میں یہ فرمایا کہ اے لوگو! تم اس مردِ مومن کو قتل کرنا چاہتے ہو، صحابی ہے نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا، مَیں تمہیں بتاتا ہُوں کہ یہ بَلَدِ مقدس، مقدس شہر وہ ہے جہاں جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم آرام فرما رہے ہیں اور خُدا کی رحمت کے فرشتے تمہارے پڑوسی ہیں، یہاں اگر آج تم نے اسے قتل کر دیا تو یہ فرشتے لوٹ کر نہیں آئیں گے اور یہ فرمایا کہ یاد رکھو اللہ کے غضب کی تلوار ابھی میان کے اندر ہے اگر تم نے اسے قتل کر دیا اور وہ تلوار میان سے نکل گئی تو پھر قیامت تک میان میں نہیں جائے گی، نہیں مانا اس بات کو، قتل کر دیا، ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جس دن عثمانؓ کو قتل کیا گیا ہے اس دن اس کے اندر کھجوریں ختم ہوگئیں، یہ کیا ہے خدا کی رحمت سے محرومی، نتیجہ کیا ہے؟ صرف وہی چیزیں کہ جن کو جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا اَلَا وَھُوَ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَآءُ حسد اور بغض یہ ایسی قابلِ نفرت چیز ہے کہ مومن کے دل میں ہو تو اس مومن کو خُدا کی رحمت سے دُور کر دے آبادیوں کے دِل میں ہو تو آبادیاں خدا کی رحمت سے محروم ہوجائیں خاندان اور جماعتیں اور قبائل کے دِلوں میں ہوں قبائل خدا کی رحمت سے محروم ہوجائیں یہ بڑی عبرت کی چیز ہے۔ جس جگہ انسان جائے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مُسلمان تفریق کا شکار ہے کہیں بھی ہو کسی کے دِل کے اندر اُنس نہیں ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک جہاں مُسلمان ہے وہاں ذلّت کا شکار ہے اور وہ قومیں جو گھبراتی تھیں کسی وقت مُسلمان کے وقار اور بلندی سے آج وہ قومیں مسلمان کو پیروں میں رگڑ رہی ہیں۔

مُسلمانوں کی ذِلّت کے اسباب

کیوں؟ اس لیے کہ مُسلمان کے دِل کے اندر اسباب ہی نہیں ہیں جن سے خُدا کی رحمت اس تک پہنچ سکے۔ مُسلمان کو عزّت و سربلندی

کہاں سے ملی تھی اللہ کی رحمت تھی اس کے اوپر، اَب اسباب وہ ہیں اللہ نے اعراض کر رکھا ہے اور مسلمان ذلّت کا شکار ہیں اس لیے میرے بھائی ہر جگہ آپس میں پیار اور محبّت ہو اور اسلام کے اس ضابطہ کو سمجھنا چاہیے جس کو جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پیش فرماتے ہیں کہ اگر دِلوں کے اندر اُنس ہوگا تو خدا کی رحمت ہوگی اگر اُنس نہیں ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کا ایمان مکمّل نہیں ہے خُدا کی رحمت نہیں ہے اس کو سمجھنا چاہیے اور اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ ہمارے دِل بغض سے، حسد سے، دُشمنی سے، کینہ سے پاک ہونے چاہییں، اگر یہ پاک ہوں گے تو انشاء اللہ رحمتِ خداوندی بھی ہوگی عزّت و آبرو بھی ہوگی، دُشمن کے مقابلہ کے اندر مدد اور نصرت بھی ہوگی اور اگر ہمارے دِل اُس سے خالی ہیں تو ایک ضابطہ ہے اللہ کا ساری دُنیا اُس کی محتاج ہے اللہ کسی کا محتاج نہیں ہے اس لیے اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اس ارشاد کے مطابق دِلوں کے اندر اُنس پیدا کریں اور اپنے دلوں کے اندر (سے) حسد اور بغض کو مٹائیں اس کو دُور کر دیں اور اُنس پیدا کرنے کے لیے اسباب کو اختیار کریں اپنے اندر صبر کو پیدا کریں اگر تکلیف پہنچتی بھی ہے کسی سے تو اس تکلیف کو انگیز (برداشت) کرنا چاہیے اور بُرائی کا مقابلہ بُرائی کے ساتھ نہیں کرنا چاہیے بلکہ نبیٔ کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے صبر کی تلقین فرمائی ہے

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی حضرت جابر بن سلیمؓ کو نصیحتیں

ایک صحابی ہیں جابر بن سُلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو آپ نے کچھ نصیحتیں فرمائی ہیں اور ان نصیحتوں کے آخیر کے اندر ارشاد فرمایا وَاِنْ شَتَمَكَ اَوْ عَيَّرَكَ اَحَدٌ بِمَا يَعْلَمُ فِيْكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ فَاِنَّمَا وَبَالُ ذَالِكَ عَلَيْهِ فرمایا کہ اگر کوئی تمہارا دوسرا ساتھی کوئی آدمی تمہاری کسی کمزوری کو جانتا ہے اور وہ تمہیں اس کمزوری کو بیان کر کے رسوا کرنا چاہتا ہے یا تمہیں گالی دے رہا ہے تو فرماتے ہیں فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ تو تم جو اس کی کمزوری جانتے ہو اس کو لوگوں کے سامنے مت پیش کرو صبر سے کام لو اور پھر دیکھو کہ تمہارے اس صبر کا ہتھیار کتنا کارآمد ہوتا ہے فرماتے ہیں۔ فَاِنَّمَا وَبَالُ ذَالِكَ عَلَيْهِ اس کا وبال اس کے اُوپر پڑے گا، لیکن تو توصبر سے کام لے اس لیے تکلیف بھی پہنچے انسان کو تو اُسے اپنی زبان بند

کرنی چاہیے، کسی کی آبرو کے پیچھے نہیں (پڑنا چاہیے)

کسی کی آبرو پر حملہ کرنا سب سے بڑا سود ہے

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ ربوٰا اور سود تو بڑی بری چیز ہے، فرمایا لیکن سب سے بڑا سود یہ ہے کیا مطلب ؟ سود سے بھی بڑا وبال لانے والی چیز یہ ہے کہ کوئی انسان کسی دوسرے کی آبرو پر حملہ کرے، اور اگر کرے گا تو یہ اُس کی پاداش ہے جس کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرما رہے ہیں یہ دِل کی وہ کدورت ہے کہ جس کی وجہ سے مغفرت کے دروازے بند ہو جائیں گے رحمت کے دروازے بند ہوں گے اس لیے اس کی طرف توجّہ کرنی چاہیے اللہ تعالےٰ ہمارے دلوں کے اندر یگانگت کو پیدا فرمائے اُنس کو پیدا فرمائے۔ محبّت کو پیدا فرمائے ہمارے اُوپر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ ہمارے گناہوں کی معافی فرمائے۔ مغفرت فرمائے خیر و برکت سے نوازے شرور سے محفوظ فرمائے اور ہمیں مسلمانوں کو ساری دُنیا کے اندر اپنے دُشمنوں کے مقابلے میں ان کی نصرت فرمائے۔ خیر و برکت سے نوازے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھ محبّت، سچّی محبّت کی توفیق عطا فرمائے اپنی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا سچّا مطیع و فرمانبردار بنائے۔ ہماری مساجد کی حفاظت فرمائے۔ مدارس کی حفاظت فرمائے مَعَاھِدْ کی حفاظت فرمائے ترقیات سے نوازے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

بقیہ: علمائے اسلام کے القاب

شیخ الشیوخ شمس الدین رومی تھے، خانقاہ قوصون (جس کی تعمیر ۷۳۶ھ میں ہوئی) کے شیخ الشیوخ شمس الدّین ابو الثناء محمود بن ابو القاسم احمد اصفہانی منتخب ہوئے۔ اُن کو اس خانقاہ کی طرف سے سالانہ تنخواہ کے علاوہ کھانا، صابون، تیل، حتّٰی کہ اُن کے سائز کا کپڑا بھی ملتا تھا، اور یہ تمام چیزیں ان کے بعد ہر شیخ الشیوخ کے لیے جاری رہیں، خانقاہ طغائی نجمی کے شیخ الشیوخ حضرت برہان الدّین رشیدیؒ تھے، اور خانقاہ خروبیہ میں امام شمس الدین محمد بن حمتی دمشقی حنبلی کو شیخ الشیوخ مقرّر کیا گیا تھا۔[1]

[1] کتاب الخطط والآثار مقریزی ج: ۴، ص: ۲۷۵، ۲۸۳، ۲۸۵، ۲۸۹ تا ۲۹۲۔

قاضی اطہر مُبارک پوری

(قسط:۳)

علمائے اسلام کے القاب

مُعَدِّلُ معدّل بھی تقریباً مزکّی کے ہم معنی ہے۔
علّامہ سمعانی لکھتے ہیں:

هٰذَا اسْمٌ لِمَنْ عَدَّلَ وَزَكّٰى وَقُبِلَتْ شَهَادَتُهٗ عِنْدَ الْقُضَاةِ۔

معدل اس شخص کا نام ہے جو تعدیل و تزکیہ کرے اور اُس کی شہادت قاضیوں کے نزدیک معتبر و مقبول ہو۔

معدّلین میں (۱) ابوالحسن علی بن محمّد بن عبد اللہ المعدّل اور (۲) ابو نصر احمد بن عبد الباقی المعدل زیادہ مشہور ہیں[1]

مولانا یہ لقب دو لفظوں سے مرکب ہے، مولا اور متکلم کی ضمیر "نا" مولا کے معنی یہاں پر آقا سردار اور محترم کے ہیں۔ یہ لقب اس ترکیبی شکل میں عہدِ رسالت میں نظر نہیں آتا، عہدِ صحابہ و تابعین میں علمائے دین اور امرا کے لیے یہ رائج ہُوا، چنانچہ علّامہ ابن سعد نے حضرت امام حسن بصریؒ متوفی ۱۱۰ھ کے حال میں لکھا ہے۔

اِنَّ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ سُئِلَ عَنْ مَسْئَلَةٍ فَقَالَ عَلَيْكُمْ مَوْلَانَا الْحَسَنَ، فَقَالُوْا يَا اَبَا حَمْزَةَ نَسْئَلُكَ وَتَقُوْلُ سَلُوْا مَوْلَانَا الْحَسَنَ فَقَالَ اِنَّا سَمِعْنَا وَسَمِعَ فَحَفِظَ وَنَسِيْنَا۔[2]

حضرت انس بن مالکؓ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے سائلوں سے فرمایا کہ تم لوگ مولانا حسنؒ کے پاس جاؤ، اس پر اُنھوں نے کہا کہ اے ابو حمزہ! ہم آپ سے مسئلہ پُوچھتے ہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ مولانا حسن سے پُوچھو، اس پر آپ نے فرمایا کہ ہم نے اور حسن نے علم پڑھا اور سُنا مگر اُنھوں نے یاد رکھا اور ہم بھُول گئے۔

---

[1] کتاب الانساب ورق ۵۶۶ [2] طبقات ابن سعد جلد ۷، قسم اوّل ص ۱۲۸

اس روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حسن بصری کے لیے مولانا کا لقب استعمال فرمایا ہے اور سائلوں نے بھی اسے دہرایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے دور میں اس کا استعمال شروع ہو چکا تھا، البتہ عام رواج نہیں ہوا تھا۔

اسی طرح ابن ندیم نے ایک شیعی فقیہ حسن بن محبوب سراد (زراد) کے تذکرے میں لکھا ہے

مِنْ اَصحَابِ مَولَانَا الرِّضَا وَمُحَمَّدٍ ابْنِہٖ [1] — یہ فقیہ مولانا رضا اور ان کے صاحبزادے محمد کے شاگردوں میں سے ہے۔

امام رضا کو مولانا کے لقب سے یاد کرنا اُن کے دَور میں اس کے رواج کی شہادت ہے۔

البتہ اس زمانہ میں یہ لقب صرف علمائے دین کے لیے خاص نہ تھا، بلکہ خلفاء، سلاطین امراء وزراء اور دوسرے اکابر کے لیے بطورِ تعظیم کے استعمال ہوتا تھا، چنانچہ امیرِ مصر کافور اخشیدی متوفی ۳۵۶ھ کے تذکرے میں علامہ ابن خلکان رحمہ اللہ نے ابوالفضل بن سحباس کا یہ دعائیہ جملہ نقل کیا ہے۔

اَدَامَ اللّٰہُ اَیَّامَ مَوْلَانَا [2] — مولانا کے اقبال کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ قائم رکھے۔

اسی طرح ابواحمد عسکری متوفی ۳۸۲ھ نے ایک موقع پر صاحب بن عباد کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

تَفَاوَلْتُ عَنِ السُّقُوْطِ بِحَضْرَۃِ مَوْلَانَا۔ — یعنی مَیں نے یہ لفظ دوسری طرح مولانا کے سامنے بدفالی کے خیال سے استعمال کیا ہے۔

مگر بعد میں اس کا عام استعمال علمائے دین کے لیے رہ گیا اور امراء و سلاطین کے لیے بہت کم استعمال ہُوا۔

مولوی | علمائے دین اور اربابِ عزّت و شرف کے لیے مولوی کا لقب غالباً چھٹی صدی کی پیداوار ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خالص عجمی اور تُرکی ذہن کی پیداوار ہے۔ صاحب غیاث اللغات نے لفظ مولوی کی تحقیق میں لکھا ہے۔

"مولوی بفتح میم و فتح لام منسوب بمولا بمعنی خداوند است بعد الحاق یائے نسبت الفے کہ

---

[1] کتاب الفہرست، ص: ۳۰۹ ، [2] تاریخ ابن خلکان: ج: ۲، ص: ۲۰ –

رابع بود بواو بدل شد، زیرا کہ الف مقصورہ در آخر کلمۂ سہ حرفی بوقت نسبت بواو بدل می شود۔"[1]

"یعنی مولوی مولا کی طرف منسوب ہے اور نسبت کے وقت آخر کا الف واؤ سے بدل گیا ہے گویا جس طرح مولانا میں مضاف مضاف الیہ کی ترکیب ہے، اسی طرح مولوی میں بھی ہے اور مولانا کے آخر میں جمع متکلم کی ضمیر ہے اور مولوی میں واحد متکلم کی، جو صحیح نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مولوی مضاف اور مضاف الیہ سے مل کر بنا ہوتا تو پھر اس کے شروع میں الف اور لام داخل نہیں ہو سکتے تھے، حالانکہ عام طور سے "المولوی" لکھا جاتا ہے، چلپی نے کشف الظنون میں جگہ جگہ مصنفین کے نام کے ساتھ المولوی لکھا ہے، چنانچہ جلال الدین رومی المولوی، اور شیخ اسمٰعیل القروی المولوی الف اور لام کے ساتھ درج ہے[2] اس قسم کی اور بہت سی مثالیں کشف الظنون اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔

ابتداء میں مولانا کی طرح مولوی کا لقب امراء و سلاطین کیلئے بھی بولا جاتا تھا، چنانچہ جب سلطان مصر محمد بن قلاؤون نے ابو الفداء کو حماۃ (شام) کی سلطنت دی تو اُن کو جن القاب سے نوازا اُن میں مولوی کا بھی لقب شامل تھا، ملاحظہ ہو:

اَلْمَقَامُ الشَّرِیْفُ الْعَالِیْ اَلْمَوْلَوِیُ السُّلْطَانِیْ الْعِمَادِیْ اَلْمَلَکِی المؤیدی۔[3] میں ابو الفداء صاحب حماۃ کے سلطانی القاب میں المولوی ہے اور الف لام کے ساتھ استعمال ہُوا ہے۔

لفظ مولوی کی عظمت و اہمیّت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ سلطان مصر محمّد بن قلاؤون نے اپنے تمام امراء کو حُکم دیا تھا کہ وہ الملک المؤید ابو الفداء کے القاب میں لفظ مولوی بھی استعمال کیا کریں، مگر خود محمّد بن قلاؤون جب کبھی ابو الفداء کو خط لکھتا تو "مولوی" کا لفظ نہیں لکھتا تھا، اس لیے کہ اس نے ابو الفداء کو حماۃ کی حکومت دی تھی، اس لقب کی عظمت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ مولانا جلال الدین رومی جیسے زبردست عالم کو مولوی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

---

[1] غیاث اللغات لفظ مولوی۔ [2] کشف الظنون: ج: ا ص: ۲۰۹ [3] تاریخ صلاح صفدی

مثنویِ مولوی معنوی ہست قرآں در زبانِ پہلوی

مولانا رُوم خود فرماتے ہیں :

مولوی ہرگز نہ شُد مولائے روم تا غلامِ شمسِ تبریزی نہ شُد

ہماری زبان کے ایک شاعر نے کہا ہے۔

عِلم مولیٰ ہو جسے ، ہے مولوی جیسے حضرت مولوی معنوی

آٹھویں صدی کے بعد سے مولوی کا لقب خاص طور سے علماء اور مدرسین کیلئے استعمال ہونے لگا اور اس کا رواج زیادہ تر علمائے رُوم میں ہوا حتیٰ کہ بعض علماء " مولوی زادہ " کے لقب سے مشہور ہُوئے۔

مُلّا ، منلا اور مولی ملّا ، منلا اور مولی کے القاب بھی مولوی کے ساتھ کی پیداوار معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا استعمال بھی اہلِ علم کے لیے علمائے رُوم سے شروع ہُوا ، یہ القاب بھی بڑے با عظمت شمار کیے جاتے تھے اور ان کا استعمال اساطین علم و فضل کے لیے ہُوا کرتا تھا ، کشف الظنون میں متاخرین میں سے بڑے بڑے ماہرین علم و فن اور مصنّفین کے لیے یہ القاب ملتے ہیں ، چنانچہ حضرت شیخ عبدالرحمٰن جامی کو ملا اور منلا کہا جاتا ہے ، ملا جلال اور بیضاوی کے محشی ملا عوض کے ساتھ یہ لقب لازمی طور سے بولا جاتا ہے نیز متاخرین میں ملا محمود جونپوری رح ملا عبدالحکیم سیالکوٹی ، ملا مبین ، ملا محب اللہ بہاری ، ملا مسکین اور ملا علی قاری وغیرہ مشاہیرِ علم و فن گزرے ہیں۔

استاذ استاذ عجمی لفظ ہے ، اس کو عربی میں عام طور سے استاذ بالذال لکھتے ہیں ، غالباً اس کا استعمال تیسری صدی سے شروع ہُوا ہے ابتداء میں ہر فن و علم کے سکھانے والے کو اس لقب سے یاد کیا جاتا تھا ، بلکہ بعض امراء کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔ علامہ سمعانی کتاب الانساب میں لکھتے ہیں کہ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن جرف بخاری سبد مونی ... کا لقب استاذ ہے ، وہ امیر اسمٰعیل بن احمد سامانی کے دربار میں علمی سوالات کے جوابات دیا کرتے تھے۔

عُرِفَ بِالْاُسْتَاذِ لِاَنَّہٗ کَانَ آپ استاذ کے لقب سے اس لیے مشہور ہُوئے

يَخْتَصُّ بِدَارِ الْاَمِيْرِ الْجَلِيْلِ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ اَحْمَدَ السَّامَانِیْ وَيَسْئَلُوْنَهٗ فِيْهَا عَنْ اَشْيَاءَ فَيُجِيْبُ فَعُرِفَ بِالْاُسْتَاذِ[1]

کہ امیر اسمٰعیل بن احمد سامانی کے دربار میں لوگ اُن سے ہر قسم کی باتیں دریافت کرتے تھے اور ان کے جوابات دیا کرتے تھے، اسی لیے وہ اُستاذ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

علّامہ ابن جبیر نے بغداد کے خلیفہ ابوالعباس احمد الناصر لدین اللہ کے حال میں لکھا ہے کہ اس خلیفہ کا ایک قیم اور امین ہے جو دار الخلافہ اور حرم کے جملہ اُمور کو انجام دیتا ہے اور تمام سامان اور ضروریات کا ذمّہ دار ہے۔

يُعْرَفُ بِالصَّاحِبِ مَجْدِ الدِّيْنِ اُسْتَاذِ الدَّارِ وَهٰذَا لَقَبُهٗ[2]

یہ شخص صاحب مجد الدین استاذ الدار کے لقب سے مشہور ہے۔

استاذ سبد مونی اور صاحب مجد الدین استاذ الدار کے علاوہ اور کئی اہلِ فن اور امراء اس لقب سے مشہور ہیں مثلاً ① استاذ ابواسمٰعیل حسین بن علی بن عبد الصمد اصفہانی ② استاذ ابراہیم موصلی ③ استاذ ابواسحٰق ابراہیم بن احمد بن مہران اسفرائینی ④ استاذ رکن شافعی فقیہ متوفی ۴۱۸ھ ⑤ استاذ ابومنصور عبد القاہر بن محمد بغدادی شافعی فقیہ متوفی ۴۲۹ھ ⑥ شیخ محی الدین ابوسعد محمد بن یحییٰ نیشاپوری شافعی متوفی ۵۴۸ھ کے متعلق علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ

اُسْتَاذُ الْمُتَاَخِّرِيْنَ وَ اَوْحَدُهُمْ عِلْمًا وَّزُهْدًا

وہ متاخرین کے اُستاذ اور علم و تقویٰ میں یکتا ہیں۔

⑦ استاذ ابوالمنصور بغدادی ⑧ امام عبد القادر بن ظاہر بن محمد شافعی متوفی ۴۲۹ھ[3] وغیرہ اس لقب سے مشہور ہیں، امراء میں استاذ کافور ابوالمسک بن عبد اللہ اخشیدی زیادہ مشہور ہے، جو مصر کا امیر تھا، اور امیر کافور اخشیدی کے نام سے مشہور تھا، یہ لقب اس قدر عام تھا کہ اہلِ علم و فضل اور امراء و سلاطین سے لے کر گانے بجانے کے اُستادوں تک کو اس سے یاد کیا جاتا

---

[1] کتاب الانساب لفظ سبد مونی [2] رحلۃ ابن جبیر ص: ۱۷۵،

[3] ان حضرات کے تذکرہ کے لیے تاریخ ابن خلکان ملاحظہ ہو۔

تھا اور اَب تک اُس کی یہ عمومیت باقی ہے۔

شیخ الاسلام وغیرہ ابتدا میں شیخ کا لقب عام طور سے اہلِ علم وفضل کے لیے کسی خاص فن یا خاص علم یا خاص مقام و قوم کی طرف نسبت کے ساتھ یہ لفظ بولا جاتا تھا، مثلاً شیخ الحرم امام ابن ابی ملیکہؒ، شیخ الحرم حضرت فضیل بن عیاضؒ، شیخ الکوفہ امام ابوعمر حکم بن عقیلہ کندیؒ، شیخ الدیار المصریہ امام لیث بن سعدؒ، شیخ السنۃ، امام ابوبشیر ورقاء بن یشکریؒ وغیرہ۔

پہلی صدی ہی میں شیخ کا لقب قرآن و حدیث اور فقہ کے معلمین و اساتذہ کے لیے بھی استعمال ہونے لگا اور اس کی جمع عام طور سے شیوخ استعمال کی گئی اس کے بعد جب اُس کا استعمال اُمّت کے عُبّاد و زُہّاد اور صلحاء و اولیاء کے لیے ہونے لگا تو اس کی جمع عموماً مشائخ استعمال ہونے لگی۔

عہد تابعین و تبع تابعین میں شیخ کی نسبت مقام و فن سے ترقی کر کے اسلام کی طرف بھی ہونے لگی، اور اعیان علم و فضل اور ائمہ وقت کے لیے شیخ الاسلام کی ترکیب رائج ہوئی۔ علّامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں اُس کو استعمال کیا ہے اور (۱) شیخ الاسلام حضرت عبداللہ بن مبارک (۲) شیخ الاسلام امام حماد بن سلمہؒ (۳) شیخ الاسلام ابوبسطام شعبہ بن حجاجؒ (۴) شیخ الاسلام امام مالک (۵) شیخ الاسلام امام سفیان ثوری[1] رحمہم اللہ کے لیے یہ لقب ملتا ہے۔

ابتدائی دَور میں یہ لقب حقائق پر مبنی ہُوا کرتا تھا اور جن بزرگانِ دین اور ائمہ اسلام کے لیے استعمال ہوتا تھا وہ اس کے اہل ہُوا کرتے تھے، مگر بعد میں اس میں افراط و تفریط ہونے لگی اور ایسے لوگوں کو یہ لقب دیا جانے لگا جو اس کے اہل نہیں تھے، پانچویں صدی کا واقعہ ہے جس کو علّامہ ابن خلکان نے شیخ الاسلام ابوالحسن علی بن احمد بن یوسف ہکّاری متوفی ۴۸۶ھ کے تذکرے میں لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

---

[1] ان حضرات کے تذکرے کے لیے تذکرۃ الحفاظ ملاحظہ ہو۔

وَسَمِعْتُ اَنَّ بَعْضَ الْأَکَابِرِ قَالَ لَہٗ اَنْتَ شَیْخُ الْاِسْلَامِ فَقَالَ اَنَا شَیْخٌ فِی الْاِسْلَامِ۔[1]

مَیں نے سُنا ہے کہ بعض اکابر نے امام ہکاری سے کہا کہ آپ شیخ الاسلام ہیں تو اُنھوں نے فرمایا کہ میں شیخ الاسلام (اسلام کا شیخ) نہیں ہوں، البتہ شیخ فی الاسلام (اسلام میں ایک شیخ) ہوں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ہکّاری کے نزدیک اس لقب کی کیا عظمت و اہمیّت تھی اور وہ اپنی ذات کو اس لقب کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔

چھٹی صدی میں شیخ الاسلام کی طرح شیخ الشیوخ کا ایک لقب جاری ہُوا اور اُس کی ترویج زاویوں اور خانقاہوں سے یُوں ہُوئی کہ مصر میں خانقاہوں کی تولیت و مشیخیت کے لیے علماء و فقہاء اور محدثین کا انتخاب ہوتا تھا اور علماء و صوفیاء کی تعلیم و تربیت سے لے کر خانقاہوں کے جملہ انتظامات تک ان کے سپرد ہوتے تھے، چنانچہ قاہرہ کی خانقاہ صالحیہ کے لیے سلطان صلاح الدّین ایّوبیؒ نے ایک شیخ کو مقرر کیا اور اُن کا لقب شیخ الشیوخ رکھا، اس کے بعد سے خانقاہوں کے ہر شیخ کو شیخ الشیوخ کہنے لگے،[2] خانقاہ صالحیہ کے شیخ الشیوخ قاضی القضاۃ تقی الدّین عبد الرحمٰنؒ جیسے یگانہ روزگار بھی رہ چکے ہیں۔ خانقاہ یشتاک کے شیخ الشیوخ ۷۳۶ھ میں حضرت شہاب الدین مقرر کیے گئے، خانقاہ شیخو کے شیخ الشیوخ حضرت شیخ اکمل الدین محمد بن محمود تھے، سریاقوس کی خانقاہ سلطان الملک الناصر محمد بن قلاؤون نے ۷۲۵ھ میں بنوائی اور اس میں شیخ مجد الدّین موسیٰ بن احمد بن محمود اقصرائی کو شیخ الشیوخ مقرّر کیا، اس سے پہلے خانقاہ سعید السعداء کے شیخ کو شیخ الشیوخ کہا جاتا تھا، خانقاہ ارسلان کے شیخ الشیوخ حضرت تقی الدین ابو البقاء محمّد بن جعفر بن محمد بن عبد الرحیم حسینی قنائی شافعی متوفی ۷۲۸ھ مقرّر کیے گئے اس کے شیخ الشیوخ قاضی القضاۃ صدر الدّین عبد الوہاب بن احمد اخنائی متوفی ۷۸۹ھ اور اُن کے بعد اُن کے صاحبزادے شمس الدّین محمد بھی رہ چکے تھے، اسی طرح خانقاہ بکتمر (جس کی تعمیر ۷۲۶ھ میں ہوئی) کے پہلے

(باقی صـ۴۲ پر)

---

[1] تاریخ ابن خلکان ج: ۱ ص: ۳۷۷ [2] کتاب الخطط والآثار مقریزی ج: ۴ ص: ۲۷۳۔

(قسط: ۱)

مرادِ رسول سیّدنا عُمر فاروق رضی اللہ عنہ

حافظ حقانی میاں قادری
فاضل وفاق المدارس العربیہ پاکستان

نام و نسب سلسلہ نسب یہ ہے، عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔

آپ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم سے جا ملتا ہے۔ ابوحفص کنیت اور فاروق لقب ہے۔ حضرت عمر رضؓ مشہور روایت کے مطابق ہجرتِ نبوی سے چالیس برس قبل پیدا ہوئے۔ ابن سعد کے مطابق آپ کی ولادت حرب فجارِ اعظم سے چار برس قبل ہوئی۔ آپ کی ولادت اور ایّام طفولیت کے بارے میں تاریخی ماخذ خاموش ہیں۔ ایام شباب میں ان شریفانہ مشاغل میں مشغول رہے جو شرفائے عرب میں رائج تھے۔ عرب میں اس وقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازمۂ شرافت سمجھی جاتی —— ان میں نسب دانی، سپہ گری۔ پہلوانی اور منقرری تھی۔ علّامہ بلاذری نے بہ سند لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبائل میں صرف سترہ افراد پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ اُن میں ایک عمر بن خطاب بھی تھے۔ (فتوح البلدان، ص: ۴۷۱)

خودداری، بلندحوصلگی، تجربہ کاری، معاملہ فہمی یہ تمام اوصاف آپ میں اسلام لانے سے قبل بدرجۂ کمال موجود تھے۔

اسلام قبول کرنے کا واقعہ ظہورِ اسلام کے وقت دیگر عمائد قریش کی طرح حضرت عمر رضؓ اسلام اور مُسلمانوں کے مخالف تھے اور اسلام قبول کرنے والوں خاص کر اپنے قبیلہ کے نومُسلموں کی ایذاء کے درپے رہتے تھے، لیکن تھے بڑے عالی دماغ اور شکوہ و دبدبہ والے۔ اس لیے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اُن کے اسلام کی بڑی آرزو تھی۔

اور آپ ان کے قبولِ اسلام کی دُعا فرمایا کرتے تھے (عقد الفرید)

آپ کے قبولِ اسلام کے متعلق ابن ہشام نے دو مختلف روایتیں درج کی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق بلاذری نے "انساب الاشراف" میں ابن سعد نے "طبقات" میں اور ابن الاثیر نے "اسد الغابہ" میں ذکر کیا ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے نکلے تھے کہ راستہ میں ایک رشتہ دار سے ملاقات ہوئی۔ صورتِ حال سے واقف ہونے کے بعد اس نے کہا کہ پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو۔ فوراً وہاں پہنچے اور کچھ تکرار کے بعد قرآن کے کچھ اجزا دیکھے اور پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

دوسری روایت کے مطابق ایک روز چُھپ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں تلاوتِ قرآن سُنی اور اس سے متأثر ہو کر اسلام قبول کیا۔

بہرصورت تمام مؤرخین اور اربابِ سیر اس پر متفق ہیں کہ قرآن پڑھ کر یا سُن کر قبول اسلام کی توفیق نصیب ہوئی اور یہ صفت ساری عمر آپ میں دیکھی جاتی رہی کہ انتہائی خفگی کے وقت بھی کوئی قرآن پڑھ دیتا تو غصّہ فوراً فرو ہو جاتا۔

<u>اسلامِ عمرؓ سے اسلام کا غلبہ</u>

حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام نے اسلام اور مُسلمانوں کو نئی رُوح اور قوّت عطا کی اُس وقت تک اگرچہ چالیس، پچاس مسلمان اسلام قبول کر چکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر سیّد الشہداء عم رسولؐ حضرت حمزہؓ بھی مُسلمان ہو چکے تھے۔ تاہم مُسلمان اپنے فرائضِ مذہبی کی علانیہ ادائیگی سے تاحال محروم تھے اور کعبۃ اللہ میں نماز کی ادائیگی ناممکن تھی۔ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرتے ہی دفعتہً یہ حالت بدل گئی۔ حضرت عمرؓ نے اعلانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا اور مسلمان برملا کعبۃ اللہ میں نماز ادا کرنے لگے۔ قیس بن حاتم نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اسلام عمرؓ کے بعد ہم برابر غالب ہوتے گئے۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی زبانی ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

"یعنی جب عمرؓ اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور اُن کے ساتھ ہم نے بھی پڑھی۔"

حضرت حسن رح سے روایت ہے کہ قیامت کے دن اسلام بذاتِ خود اہلِ محشر میں عمر رض کو ڈھونڈتا ہُوا آئے گا اور پھر اُن کا ہاتھ تھام کر عرشِ الٰہی تک پہنچے گا اور یُوں گویا ہوگا! پرورد گار میں چُھپا ہُوا تھا، سہما ہُوا تھا اور سمٹا ہُوا تھا اس شخص (عمر رض) نے مجھے غلبہ دلایا سو اسے اس عمل کی جزا دے۔ چنانچہ ابھی حساب ہو ہی رہا ہوگا کہ فرشتے حضرت عمر رض کا ہاتھ تھامے ہُوئے اُنہیں خُلد بریں میں لے جائیں گے۔ (سیرۃ عمر رض مؤلفہ امام ابن جوزی رح)

حضرت عمر رض کی افتادِ طبع کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اور لوگ مسلمان ہوتے تو اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے، مگر آپ نے اسلام قبول کرتے ہی کفّار کے مجمع میں جا کر بَرملا اعلان کیا اور دیر تک جمِ غفیر کے ظُلم و تعدی کا تنِ تنہا مقابلہ کرتے رہے۔

ممتاز ہندو سیرت نگار سوامی لکشمن پرشاد حضرت عمر رض کے قبولِ اسلام کے بعد کے واقعات کو یُوں بیان کرتے ہُوئے "تاریخِ اسلام میں ایک زرّیں باب کا اضافہ" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے۔

"حضرت محمد ﷺ کی تمنائیں بر آئیں عمر بن خطاب کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے تاریخ اسلام میں ایک زرّیں باب کا اضافہ ہُوا۔ مُسلمان کفّار کی مخالفت کے خوف کی وجہ سے ارکانِ اسلام کی اعلانیہ بجا آوری سے معذور تھے مگر آپ کے مشرف بہ اسلام ہوتے ہی مسلمانوں نے کعبۃ اللہ میں نماز پڑھنے کی تحریک شروع کی۔ کفار اور مشرکین نے بہت سَر اُٹھایا، اور ہنگامہ عظیم برپا کیا مگر اس تحریک نے ایک بے پناہ سیلاب بن کر، اُن کی تمام مخالفانہ کوششوں پر پانی پھیر دیا اور فرزندانِ اسلام حرم محترم میں علی الاعلان نماز ادا کرنے لگے"

(عرب کا چاند ص: ۱۴۴)

معروف یورپی مفکّر و محقق پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو آرنلڈ حضرت عمر رض کے قبولِ اسلام کے نتائج و ثمرات پر بحث کرتے ہُوئے رقم طراز ہے۔

"حضرت عمر رض کا اسلام لانا ایک ایسا واقعہ ہے جس سے تاریخِ اسلام کا رُخ ہی بدل گیا مُسلمان اَب اس قابل ہو گئے کہ وہ زیادہ جُرأت سے کام لے سکیں۔ رسولِ خُدا نے حضرت ارقم کا گھر چھوڑ دیا اور مُسلمانوں کے کعبہ کے سامنے اعلانیہ باجماعت نماز شروع کر دی۔

یہ صورتِ حال ایسی تھی کہ رؤساءِ مکّہ کو اس سے خوف پیدا ہونا فطری امر تھا، کیونکہ اَب اُن کا مقابلہ ایک مظلوم اور حقیر گروہ کے ساتھ نہیں تھا جو عاجزی اور بے کسی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ بلکہ ایک طاقتور جماعت کے ساتھ تھا جس میں روز بروز با اثر اور بارسوخ شہریوں کا اضافہ ہو رہا تھا۔ (دعوتِ اسلام ص: ۲۲)

ہجرت مدینہ

مکّہ میں جب مُسلمانوں کا قیام ناممکن ہوگیا تو حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عمر رضؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ سب سے پہلے ابوسلمہ عبداللہ بن اشھل رضؓ نے پھر حضرت بلال حبشی رضؓ نے اور پھر عمار بن یاسر رضؓ نے ہجرت کی حضرت عمر رضؓ نے اس شان سے ہجرت فرمائی کہ مشرکینِ مکّہ کی بھیڑ سے ہوتے ہُوئے خانہ کعبہ پہنچے، وہاں کفّار مکّہ موجود تھے آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا مقام ابراھیم پر جاکر نماز پڑھی اور پھر کفّار و مشرکین کو خطاب کر کے فرمایا۔
"مَیں مدینہ کی طرف ہجرت کر رہا ہُوں اگر کسی کی یہ خواہش ہَے کہ وہ درندوں کی غذا بنے اور اپنی اولاد کو یتیم کرے، وہ میرے راستہ میں آئے"، یہ سُن کر کفّار سہم گئے اور کسی کی ہمّت نہ ہُوئی کہ آپ کا راستہ روک سکے۔

خلافت: کُل مُدّت خلافت ۱۰ سال ۶ ماہ ۴ دن

خلیفۂ اوّل سیّدنا صدّیق اکبر رضؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عمر رضؓ مدینہ منوّرہ کے قاضی بنے وہ حضرت ابوبکر رضؓ کے دستِ راست اور مشیرِ خاص تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضؓ نے حضرت عمر رضؓ کی مثالی خدمات کو مدِّنظر رکھتے ہُوئے بلا تأمّل اُن کو اپنا جانشین مقرّر فرمایا۔ حضرت عثمان غنی رضؓ کو بلا کر اُن سے وصیّت نامہ املاء کروایا کہ میری وفات کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضؓ خلیفہ ہوں گے۔ امام ابن جوزیؒ نے "سیرۃ عمر رضؓ" میں ابوبکر بن سالم کا قول نقل کیا ہَے کہ ابوبکر رضؓ اپنا وصیّت نامہ لکھوا چُکے تو عمر رضؓ کو طلب کیا اور اُن پر یہ بات واضح کردی کہ کچھ لوگ اُنھیں ناپسند کرتے ہیں اور کچھ پسند کرتے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ کبھی اچھوں سے بھی بغض و عناد ہو جاتا ہَے اور کبھی بُروں اور بُرائیوں سے بھی محبّت کی جانے لگتی ہَے۔ حضرت عمر رضؓ نے فوراً فرمایا کہ اُنہیں خلافت سے معذور رکھا جائے مگر صدّیق اکبر رضؓ نے فرمایا کہ خود خلافت اُن کی

محتاج اور نیاز مند ہے۔

حضرت ابوبکر رضؓ صدیق کی زندگی ہی میں وصیّت میں مندرج شخصیت کے لیے بیعت کی گئی۔ حضرت ابوبکر رضؓ کی وفات کے بعد لفافہ کھولا گیا اور دوبارہ جمادی الثانی ۱۳ھ میں مسندِ خلافت پر متمکن ہونے سے قبل حضرت عمر رضؓ کی بلا اختلاف متفقہ بیعت ہُوئی۔ آپ نے حاضرین سے اوّلین کلمات میں کہا۔

"مجھے تم سے آزمایا جارہا ہے اور تمہیں مجھ سے، مَیں اپنے پیشروؤں کے بعد تم میں جانشین بن رہا ہوں۔ جو چیز ہمارے سامنے یعنی مدینہ میں ہوگی اسے ہم شخصی طور پر انجام دیں گے اور جو چیز غائب (دوسری جگہ) ہوگی تو اس کے لیے قوی (قابل) اور امین (دیانتدار) لوگوں کو مامور کریں گے۔ جو اچھّا کام کرے گا۔ اس پر ہمارا احسان بھی زیادہ ہوگا اور جو بُرائی کرے گا اُسے ہم سزا دیں گے۔ اللہ ہمیں اور تمہیں معاف کرے۔"

دوسرے دِن صُبح جَب حضرت عمر رضؓ مسندِ خلافت پر جلوہ فرما ہُوئے جامع بن شداد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ منبر پر جلوہ فگن ہونے کے بعد گفتارِ فاروقی رضؓ کا یُوں آغاز ہُوا۔

"اے اللہ مَیں سخت و درشت ہُوں مجھے نرم کردے، مَیں کمزور اور بے طاقت ہوں مجھے قُوّت عنایت کر مَیں تنگ ہُوں مجھے کشادہ کر دے۔"

حضرت ابراہیم نخعیؒ کے مطابق برسرِ اقتدار ہوتے ہی حضرت عمر رضؓ نے حضرت علی رضؓ کو دو بڑے کام سونپ دیے۔ یعنی عہدۂ قضاء اور جنگی داریوں کی نظارت و نگرانی۔

عہد فاروقی اسلامی فلاحی مملکت کا مثالی نمونہ

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد خلافت اسلامی فلاحی مملکت کا مثالی نمونہ ہے۔ عہد فاروقی میں جَب کوئی انتظامی معاملہ درپیش ہوتا ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ مجلس شوریٰ میں ہمیشہ مہاجرین وانصار کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ مجلس شوریٰ کے ارکان میں حضرت عثمان غنی رضؓ، حضرت علی مرتضیٰ رضؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ، حضرت معاذ بن جبل رضؓ، حضرت ابی بن کعب رضؓ اور حضرت زید بن ثابت رضؓ کے اسماءِ گرامی سرِفہرست ہیں۔ (طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۱۳۴)

حضرت عمر فاروق رضؓ نے مختلف مواقع پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشورہ کے بغیر خلافت کا کوئی تصوّر نہیں آپ کے یہ الفاظ تاریخ کا حصّہ ہیں۔"لا خلافۃ الاعن مشورۃ"

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم، ص: ۱۳۹)

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ عام رعایا کو انتظامی اُمور میں مداخلت حاصل تھی۔ صوبہ جات اور اضلاع کے حکام عام مُسلمانوں کی مرضی سے مقرّر کیے جاتے تھے بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آتا تھا۔

حاکم و محکوم کا مساویانہ تصوّر

جمہوری حکومت کا اصلی زیور یہ ہے کہ حاکم ہر قسم کے حقوق میں عام محکوموں کے ساتھ برابری رکھتا ہو۔ یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو۔ ملک کی آمدنی میں سے ضروریاتِ زندگی سے زیادہ نہ لے، عام معاشرت میں اس کی حاکمانہ حیثیّت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے اس کے اختیارات محدود ہوں ہر شخص کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو۔ مذکورہ تمام اُمور حضرت عمر رضؓ کے عہدِ خلافت میں بدرجۂ تمام موجود تھے۔ آپ نے متعدّد مواقع پر اظہار فرما دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے آپ کی کیا حیثیّت ہے اور کیا اختیارات ہیں؟ ایک موقعہ پر آپ نے اس کے متعلّق جو تقریر فرمائی تھی اس کے بعض فقرے اس موقعہ پر لکھنے کے قابل ہیں۔

"مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربّی کو یتیم کے مال میں۔ اگر مَیں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لُوں گا اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لیے لُوں گا۔ صاحبو! میرے اُوپر تم لوگوں کے متعدّد حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مالِ غنیمت بیجا طور سے خرچ نہ کیا جائے۔ ایک یہ کہ مَیں تمہارے روزینے بڑھاؤں اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں۔ ایک یہ کہ تمہیں خطروں میں نہ ڈالوں۔"

ایک دفعہ ایک شخص نے کئی بار حضرت عمر رضؓ کو مخاطب کر کے کہا! اِتَّقِ اللہَ یَا عُمَرُ ۔ اے عمر خدا سے ڈر۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اُس کو روکا اور کہا بس بہت ہُوا۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا نہیں کہنے دو، اگر یہ لوگ نہ کہیں تو بے مصرف ہیں اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم ۔

ان باتوں کا ہی اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے تمام اختیارات اور حدود تمام لوگوں پر اظہار ہوئے اور شخصی شوکت و اقتدار کا تصوّر دِلوں سے جاتا رہا تھا۔ حکمرانی کے ذاتی مصارف ایک معمولی اوسط انسان کے برابر کر دیئے گئے۔ نہ صرف سالانہ تنخواہ میں بلکہ عام سرکاری مصارف میں بھی مثلاً حضرت عمرؓ شام کے دَورے پر جاتے ہیں تو صرف ایک خادم کے ساتھ نکلتے ہیں ۔ ہمراہ صرف ایک اُونٹ ہے جس پر آقا اور غلام دونوں باری باری بیٹھتے ہیں۔ اتّفاق سے منزل مقصود پر پہنچے تو غلام سوار اور خلیفہ وقت عمرؓ پیدل۔

ایک بار صفوان بن امیہ نے اُن کی خدمت میں لذیذ دسترخوان سجا کر بھیجا تو اُس دسترخوان کے چاروں طرف فقیروں اور غلاموں کی بھیڑ جمع کر لی اور اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور کھلایا۔ اخوّت و مساوات کی مقدس قربان گاہ پر اس طرح عربی فخرو مباہات کو بھینٹ چڑھانے کے بعد فرمایا۔

"خُدا کی پھٹکار ہو اُن خود سروں پر جن کو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار آتا ہے"۔

فتوحات فاروقی کی حیرت انگیز وسعت

تاریخِ عالم کے اوراق اس امر پر شاہدِ عدل ہیں کہ جب سے دُنیا معلوم ہے آج تک کوئی فاتح فاروقِ اعظمؓ کے برابر اور کشورستان نہیں گزرا۔ عہدِ فاروقی میں مفتوحہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۰۳۰ مربع میل یعنی مکّہ معظّمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶ مشرق کی جانب ۱۰۸۷ جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حکومت تھی اس لیے وہ قابلِ ذکر نہیں۔ اس میں شام ، مصر ، عراق ، جزیرہ ، خوزستان ، عراق عجم ، آرمینیہ آذر بائیجان ، فارس ، کرمان ، خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا کچھ حصّہ بھی آجاتا ہے شامل تھا۔ ایشیائی کوچک پر جس کو اہلِ عرب رُوم کہتے ہیں۔ ۱۶ھ میں حملہ ہُوا تھا، لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شامل ہونے کے قابل نہیں۔

آپ کے دَورِ خلافت میں ایران و رُوم کی عظیم الشان سلطنتوں کے پرزے پرزے اُڑ گئے اور ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور ان تمام فتوحات میں ظلم و جور کا کوئی ایک واقعہ بھی تاریخ پیش نہیں کر سکی، چنانچہ پروفیسر ٹی ڈبلیو

آرنلڈ فاروقی فتوحات پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہے!

"حضرت عمرؓ اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ جو حسنِ سلوک کرتے تھے وہ اس روایت سے ظاہر ہے کہ آپ نے بعض عیسائی جزامیوں کے لیے وظیفے مقرر فرمائے۔ حضرت عمرؓ نے ذمیوں (اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندوں)، کو اپنی آخری وصیت میں بھی یاد رکھا"۔ (دعوت اسلام ص۶۱)

فاروق اعظمؓ کی عدیم النظیر عدل گستری

معروف عرب محقق محمد حسنین ہیکل لکھتے ہیں:

"حضرت عمرؓ کا عدل آج تک ضرب المثل ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ اللہ اور اس کے حساب سے ڈرنے والے تھے اور لوگوں پر حکومت کرنے میں جس بے لاگ سوجھ بوجھ باریک بینی اور محاسبۂ نفس کی ضرورت ہوتی ہے اُسے وہ خوب جانتے تھے۔ ایک دفعہ دو جھگڑنے والے اُن کے پاس آئے تو فاروق اعظمؓ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور فرمایا یا اللہ ان کے بارے میں مجھے روشنی عطا فرما۔ اُن میں سے ہر ایک میرا دین چاہتا ہے"۔

عدل وانصاف کا ایک لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے۔ یعنی دیوانِ عدالت میں شاہ و گدا، امیر و غریب شریف و رذیل سب ہم رتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمرؓ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لیے متعدد مواقع پر خود عدالت میں فریقِ مقدمہ بن کر گئے۔ ایک دفعہ آپ میں اور ابی بن کعبؓ میں کچھ نزاع ہوا، حضرت ابی ابن کعب نے زید بن ثابتؓ کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت کے رُو برو پیش ہوئے۔ حضرت زیدؓ نے تعظیم کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا! یہ تمہارا پہلا ظلم ہے یہ کہہ کر ابیؓ کے برابر بیٹھ گئے۔ ابیؓ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمرؓ کو دعوے سے انکار تھا ابیؓ نے قاعدے کے مطابق حضرت عمرؓ سے قسم لینا چاہی، لیکن زید نے اُن کے رُتبہ کا پاس کر کے ابیؓ سے درخواست کی کہ امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو، حضرت عمرؓ اس طرفداری پر بہت رنجیدہ ہوئے زید کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضاء کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔

عدلِ فاروقیؓ پر غیر مسلم دانشوروں کا تبصرہ

○ فلپ کے حتی لکھتا ہے۔
اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عمرؓ کا اسلام کے متعلّق علم بہترین تھا۔ وہ انصاف کے تقاضوں کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے اُنھوں نے اپنے نظریۂ انصاف کو بیان کرتے ہُوئے ایک موقعہ پر کہا تھا۔
"خُدا کی قسم! تم میں سے کمزور ترین میرے نزدیک طاقتور ترین ہے جب تک میں اس کے حقوق نہ دلا دوں اور طاقتور ترین کمزور ترین ہے جب تک کہ مَیں اس سے حقوق واپس نہ حاصل کرلوں۔
اُنھوں نے انصاف کے اس نظریہ کو عملی جامہ بھی پہنایا۔ (میکرز آف عرب ہسٹری)
○ کیمبرج ہسٹری آف اسلام کے مرتبین نے حضرت عمرؓ کے فلسفۂ انصاف کو سمجھنے کے لیے اُن کے یہ الفاظ درج کیے ہیں۔
"ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم آپ سے اللہ کی طرف سے آپ پر عائد کردہ فرائض منوائیں اور نافرمانی کے کاموں سے روکیں۔ قریب و بعید کے لوگوں کے درمیان یہ پرواہ کیے بغیر کہ سزا کسے ملتی ہے اللہ کا قانون قائم کریں۔
○ سر تھامس آرنول حضرت عمرؓ کے دَور میں انصاف کی بُنیاد کی وضاحت کرتے ہُوئے لکھتا ہے۔ "بھائی چارہ کا منطقی نتیجہ مساوات بھی ہے۔ جس طرح خُدا کے سامنے تمام مسلمان برابر ہیں۔ اسی طرح وہ آپس میں بھی برابر ہیں۔ مومنین میں برتر وہ ہے جو اپنے ایمان یا عمل کی بُنیاد پر اپنے آپ کو افضل ثابت کرتا ہے۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹّی سے پیدا ہُوئے تھے۔ قانون کے سامنے برابری پُورے سیاسی اور سول نظام کی بُنیاد ہے۔ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے کہا تھا۔
" ان سَب کو برابر سمجھنا" یہ بات حضرت عمرؓ نے انصاف کے متعلّق کہی تھی تاکہ طاقتور انصاف کے راستہ میں رُکاوٹ نہ بن سکیں خواہ یہ باتیں مستند ہوں یا نہ ہوں تاہم اس دَور میں ہمیں جو نظام ملتا ہے اس کی بُنیاد انھی بُنیادی اُصولوں پر تھی۔

رعایا کی خبر گیری اور داد رسی

آپ کی سَب سے زیادہ توجّہ اس امر پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت یا مسئلہ آپ

تک پہنچنے سے نہ رہ جائے، چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ ہر نماز کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھ جاتے اور لوگوں کے مسائل سُنتے کوئی نہ ہوتا تو کچھ دیر انتظار کر کے اُٹھ جاتے۔ راتوں کو دَورہ کر کے لوگوں کے حالات معلوم کرتے۔ بیرونی اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے اُن سے معلومات حاصل کرتے۔ ایک عمدہ طریقہ حالات معلوم کرنے کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں اور وہ ان مقامات سے متعلق ہر قسم کی ضروری معلومات پیش کرتیں۔ اس سفارت کو وفد کہا جاتا تھا۔ ان تمام اُمور کے باوجود آپ مطمئن نہ تھے اور فرماتے کہ عمّال رعایا کی پرواہ نہیں کرتے ہر شخص مجھ تک پہنچ نہیں سکتا۔ اس بناء پر آپ نے ارادہ کیا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ بصرہ کا دَورہ کریں گے اور ہر مقام پر دو دو ماہ قیام کر کے لوگوں کے حالات معلوم کریں گے لیکن موت نے فرصت نہ دی۔ تاہم آخیر دفعہ جب شام کا سفر کیا تو ایک ضلع میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایات سُنیں اور دادرسی کی۔ اس سفر میں ایک عبرت انگیز واقعہ پیش آیا۔

(۱) دارالخلافہ کو واپس آرہے تھے کہ راہ میں ایک خیمہ دیکھا، سواری سے اُتر کر خیمہ کے قریب گئے ایک بُوڑھی عورت نظر آئی اس سے پُوچھا کہ عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟ اُس نے کہا ہاں شام سے روانہ ہوچکا لیکن خدا اُسے غارت کرے کہ آج تک مجھے اُس کے ہاں سے ایک حبّہ بھی نہیں ملا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اتنی دُور کا حال عمرؓ کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے؟ بُڑھیا بولی اُس کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے؟

حضرت عمرؓ کو سخت رقت ہُوئی اور بے اختیار رو پڑے۔

(۲) اسلم (حضرت عمرؓ کے غلام) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو گشت کے لیے نکلے مدینہ سے تین میل پر صرار ایک مقام ہے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور اُس کے تین بچّے قریب رو رہے ہیں پاس جا کر حقیقتِ حال دریافت کی اس عورت نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچّوں کو کھانا نہیں ملا ہے۔ اُن کے بہلانے کے لیے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت مدینہ طیبہ آکر بیت المال سے آٹا گوشت گھی اور کھجوریں لیں اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھ دو، اسلم نے کہا میں لیے چلتا ہُوں، فرمایا، ہاں قیامت میں میرا بار تم نہیں اُٹھاؤ گے۔ غرض سب چیزیں خود لاد

کرلائے اور عورت کے آگے رکھ دیں۔ اس نے آٹا گوندھا ہانڈی چڑھادی۔ حضرت عمرؓ خود چولہا پھونکتے تھے۔ کھانا تیار ہُوا تو بچّوں نے خوب سیر ہوکر کھایا اور اُچھلنے کُودنے لگے۔ حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔

(۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو میرے گھر آئے میں نے کہا۔ آپ نے کیوں تکلیف کی مجھ کو بُلا لیا ہوتا۔ فرمایا! ابھی مجھے معلوم ہُوا ہے کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اُترا ہے۔ لوگ تھکے ماندے ہوں گے۔ آؤ ہم چل کر پہرہ دیں، چنانچہ دونوں صاحب گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔

○ ایک دفعہ ایک بدو آپ کے پاس آیا اور یہ اشعار پڑھے۔ اے عمرؓ لُطف اگر ہے تو جنّت کا ہے۔ میری لڑکیوں اور اُن کی ماں کو کپڑے پہنا خُدا کی قسم تجھے یہ کرنا ہوگا۔ تجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہوگا اور تو ہکّا بکّا رہ جائے گا۔ پھر یا دوزخ کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہوگا۔ حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ ڈاڑھی تر ہوگئی۔ پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتا اسے دے دو، اس کے سوا کوئی چیز میرے پاس نہیں۔ (ازالۃ الخفا)

<u>اُسوۂ فاروقی رضؓ کے درخشاں پہلو</u>

تاریخِ عالم میں کسی ایسے حکمران کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی سوائے سیّدنا فاروقِ اعظمؓ کے کہ جس کی معاشرت یہ ہو۔ قمیص میں دس دس پیوند لگے ہوں۔ کاندھے پر مشق رکھ کر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھر آتا ہو۔ فرشِ خاک پر پڑ رہتا ہو۔ جہاں جاتا ہو جریدہ و تنہا اُونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھوں سے تیل ملتا ہو۔ در و دربار نقیب، حشم و خدم کے نام سے ناآشنا ہو اور پھر یہ رعب و دبدبہ کہ عرب و عجم اسکے نام سے لرزتے ہوں اور جس طرف رُخ کرتا ہو زمین دہل جاتی ہو، سکندر و تیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں لےکر نکلتے تھے جب اُن کا رُعب قائم ہوتا تھا۔ عمر فاروقؓ کے سفرِ شام میں سواری کے ایک اُونٹ کے سوا کچھ نہ تھا، لیکن چاروں طرف غل پڑا ہُوا تھا کہ مرکزِ عالم جنبش میں آگیا ہے۔

زہد و قناعت، تواضع و انکساری خاکساری و سادگی، راستی و حق پرستی۔ صبر و رضا شکر و توکل یہ اوصاف آپ میں بدرجہ کمال پائے جاتے تھے۔

خشیتِ الٰہی

آپ کا دل ہر لمحہ خوفِ آخرت اور خشیت الٰہی سے لرزاں و متفکر رہتا تھا، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دُنیا کے لوگ جنتی ہیں، تب بھی میرے دِل سے مواخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ ایک بد قسمت انسان میں ہی ہوں۔

○ ایک راستہ پر سے گزر رہے تھے کہ کچھ خیال آیا وہیں آپ زمین کی طرف جُھکے اور ایک تنکا اُٹھایا۔ پھر کہا اے کاش مَیں اس تنکے کی طرح خس و خاشاک ہوتا۔ اے کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ اے کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔

○ ایک بار کسی کے گھر کی طرف سے گزر ہُوا وہ نماز میں سورۂ والطور پڑھ رہا تھا جب وہ اس آیت پر پہنچا جس کا ترجمہ ہے۔ تیرے رب کا عذاب یقیناً واقع ہونے والا ہے تو آپ سواری سے اُتر پڑے اور دیوار سے ٹیک لگا کر دیر تک بیٹھے رہے اس کے بعد گھر آئے تو ایک مہینے تک بیمار رہے۔

حُبِّ رسولؐ

ذاتِ نبوی سے والہانہ شیفتگی تھی جان و مال آل و اولاد ہر محبوب شے آقائے دوجہاں پر فدا تھی۔ آپؐ کی وفات کے بعد جب عہدِ رسالت یاد آجاتا تو روتے روتے بیتاب ہو جاتے تھے۔ شام کے سفر میں جب حضرت بلال رضؓ نے مسجدِ اقصٰی میں اذان دی تو حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو گئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔

حیرت انگیز زُہد و اتقا

عبدالرحمٰن بن عمرو الاشعری کا بیان ہے ایک روز میں حضرت عمرؓ کی طرف جا نکلا اُن کے پاس ایک اُونٹنی تھی جس کا دُودھ اُن کے اپنے استعمال میں رہتا تھا اُن کا غلام اُن کے لیے کہیں اور سے دُودھ لے آیا آپ نے پی لیا تو دفعتہً پُوچھا ! تو یہ دُودھ کہاں سے لایا ؟ غلام بولا آپ کی اُونٹنی پر اس کا نوزائدہ بچہ ٹُوٹ پڑا تھا۔ سو مَیں ایک سرکاری اُونٹنی کا دُودھ نکال لایا امیر المومنین غضب ناک ہو گئے، ارشاد فرمایا ! کمبخت تُو نے میرے پیٹ میں آگ ڈال دی،

زندہ جانوروں کی تول کر خرید و فروخت؟

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدُ الواحِد
مُدرّس و نائبِ مُفتی و فاضِلِ جامِعہ مدنیّہ

بسم الله حامدا ومصليا

وزن اور تول کے حساب سے زندہ مُرغیوں کی خرید و فروخت تو خاصے بڑے پیمانے پر ہو رہی تھی اَب کچھ عرصے سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ خصوصاً بقرعید کے موقع پر زندہ بھیڑ بکریوں کی وزن و تول کے حساب سے خرید و فروخت عروج پر ہے۔

زندہ جانور قابلِ وزن شے نہیں ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ زندہ جانور خواہ وہ بھیڑ بکریاں ہوں یا مُرغیاں ہوں یا کوئی اور وزن کی جانے والی چیز نہیں ہیں، کیونکہ وزن سے غرض ہوتی ہے کہ خرید و فروخت کی جانے والی شے کی مقدارِ ثقل معلوم ہو جائے، جبکہ زندہ جانور کو تولنے کے باوجود یہ غرض حاصل نہیں ہوتی کیونکہ زندہ جانور کبھی تو زور لگا کر اپنے آپ کو بھاری کر لیتا ہے اور کبھی اپنے آپ کو ہلکا کر لیتا ہے اور اس وجہ سے اس کے واقعی وزن کو معلوم کرنا ممکن نہیں۔

لابی حنیفة رحمه الله (جاز بیع اللحم بالحیوان) لانه بیع موزون بغیر موزون فیصح کیفما کان کما لو باع الثوب بالقطن۔ وهذا لان الحیوان لیس بموزون بل هو عددی متفاوت　　(شرح النقایة ص۵۵/۲)

ترجمہ: ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گوشت کی زندہ جانور کے عوض میں بیع جائز ہے کیونکہ یہ موزونی شے کی غیر موزونی شے کے ساتھ بیع ہے جس طرح کپڑے کی بیع روئی

کے عوض میں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حیوان موزونی شی نہیں ہے بلکہ عددِ متفاوت شی ہے۔

لان الحیوان لایوزن عادة ولا یمکن معرفة ثقله بالوزن لانه یخفف نفسه مرة بصلابته ویثقل اخری (هدایه)

کیونکہ حیوان کو وزن کرنے کا رواج نہیں ہے۔ علاوہ ازیں وزن کے ذریعے سے اس کے بوجھ کو معلوم کرنا ممکن نہیں کیونکہ وہ کبھی تو اپنے آپ کو ہلکا کر لیتا ہے اور کبھی بوجھل کر لیتا ہے۔

والحیوان لایوزن عادة ولا یمکن معرفة ثقله وخفته بالوزن لانه یخفف نفسه مرة ویثقل اخری بضرب قوة فیه فلایدری ان الشاة خففت نفسها أو ثقلت (عنایه ص۲۶)

حیوان کو وزن کرنے کا رواج نہیں ہے اور وزن کے ذریعے سے اس کے بھاری پن اور ہلکے پن کو معلوم نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ جانور اپنے زور کی وجہ سے کبھی تو اپنے آپ کو ہلکا کر لیتا ہے اور کبھی بوجھل کر لیتا ہے۔ لہٰذا معلوم نہیں کہ بکری نے اپنے آپ کو ہلکا کر لیا ہے یا بوجھل کر لیا ہے۔

لان الموزون حقیقة ما یمکن معرفة مقدار ثقله بالوزن وهذا لایتحقق فی لحم الشاة الحیة وهو معنی قوله ولا یمکن معرفة ثقله بالوزن لانه ای لان الحیوان یخفف نفسه مرة ویثقل اخری باختصاصه بضرب قوة فیه فلا یدری ان الشاة خففت نفسها أو ثقلت (بنایه)

موزونی شے حقیقتاً وہ ہوتی ہے جس کے بوجھ و ثقل کی مقدار وزن کے ذریعے سے معلوم کی جا سکے۔ زندہ جانور میں یہ ممکن نہیں کیونکہ وہ اپنے اندر موجود اور اس کے ساتھ مختص زور کے ذریعے کبھی اپنے آپ کو ہلکا کر لیتا ہے اور کبھی بوجھل کر لیتا ہے

تول کے حساب سے زندہ جانوروں کی خرید و فروخت جائز نہیں

جب یہ معلوم ہو گیا کہ زندہ جانور موزونی یعنی تولی جانے والی شی نہیں ہے تو اب یہ بات جاننا مشکل نہیں کہ زندہ جانور کی تول اور وزن کے حساب سے خرید و فروخت جائز نہیں کیونکہ جب تولنے کے باوجود ہمیں زندہ جانور کا صحیح وزن معلوم نہیں ہو سکتا تو اُس کی قیمت بھی جو کہ وزن پر مبنی ہے مجہول اور نا معلوم رہی اور خرید و فروخت کا اس طور پر ہونا کہ قیمت نا معلوم ہو صحیح نہیں۔

اس کو مثال سے اس طرح سمجھیں کہ ایک زندہ بکری کا وزن کیا گیا تو اس کا وزن چالیس کلو نکلا، لیکن یہ احتمال ہے کہ جانور نے وزن کیے جانے کے وقت میں اپنے آپ کو بوجھل کر لیا ہو اور اس کا واقعی وزن اُنتالیس کلو ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اُس نے اپنے آپ کو ہلکا کر لیا ہو اور اس کا واقعی وزن اکتالیس کلو ہو۔ اس طرح سے بکری کا وزن مجہول اور نا معلوم ہو گیا کہ معلوم نہیں اسکا واقعی وزن اُنتالیس کلو ہے یا چالیس کلو ہے یا اکتالیس کلو ہے اور وزن تو مجہول ہُوا ہی ہے قیمت (یعنی ثمن) بھی مجہول اور نا معلوم ہو گئی کیونکہ اگر ثمن و قیمت پچاس روپے فی کلو ہو تو اب معلوم نہیں کہ اسکی قیمت پُورے دو ہزار روپے ہے یا اُن سے پچاس کم ہے یا اُن پر پچاس زائد ہے۔

شریعت ہر اس سودے کو جس میں خرید و فروخت کی جانے والی شے کی مقدار نا معلوم ہو یا اس کی قیمت نا معلوم ہو نا جائز کہتی ہے، کیونکہ اس میں احتمال ہوتا ہے کہ بائع و مشتری کے درمیان اس جہالت کی وجہ سے جھگڑا کھڑا ہو جائے۔

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ وزن کے حساب سے زندہ جانور کی خرید و فروخت یعنی جس میں قیمت وزن پر مبنی ہو جائز نہیں تو اب یہ دیکھنا باقی رہا کہ کیا موجودہ طرز کی اصلاح ممکن ہے یا نہیں؟

تول کر زندہ جانور کی خرید و فروخت کا صحیح طریقہ

موجودہ طرز کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ بائع اور مشتری وزن کے حساب سے جانور کی خرید و فروخت اور عدد کے حساب سے جانور کی خرید و فروخت کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھیں۔

اس فرق کو مثال سے سمجھیے:

آپ چالیس روپے فی کلو کے حساب سے ڈھائی کلو کی ایک زندہ مُرغی خریدتے ہیں۔ آپ نے اس کی قیمت سو روپے ادا کی۔ ذرا دیر بعد آپ نے اس مُرغی کو دوبارہ تولا اس مرتبہ اس کا وزن مثلاً دو سو گرام کم نکلا۔ اَب آپ خیال کرتے ہیں کہ مُرغی فروش نے وزن کرنے میں کچھ خیانت کی اور آپ سے آٹھ روپے زائد وصول کیے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ صبر کرکے خاموش ہوجائیں اور ہوسکتا ہے کہ آپ مُرغی فروش کو پکڑ لیں کہ تُو نے مجھ سے دھوکا کیا۔

اس کے بالمقابل اگر ایک مُرغی فروش اپنے ہاں یہ اعلان لکھ کر لگا دیتا ہے کہ مُرغی کا وزن فقط مُرغی کی مقدارِ ثقل اور اس کی قیمت کا اندازہ کرنے کے لیے ہے اور مُرغی کی فروخت عدد کے حساب سے ہے تو جَب آپ نے ڈھائی کلو کی مُرغی کے سو روپے ادا کیے تو مُرغی فروش بھی اور آپ بھی جو کہ خریدار ہیں اس بات کو سمجھ رہے ہیں کہ مرغی کی قیمت اس کے وزن پر مبنی نہیں ہے، بلکہ وزن مُرغی کی قیمت کا تقریبی اندازہ کرنے کے لیے کیا گیا ہے بلکہ یُوں کہیے کہ خرید و فروخت میں مُرغی کے وزن کا سرے سے اعتبار نہیں ہے، وزن کرکے مُرغی کی قیمت کا اندازہ کیا گیا ہے اور سودا بعد میں مُرغی کے عدد کے حساب سے ہو رہا ہے۔ اس صُورت میں اگر بعد میں آپ کے وزن کرنے پر دو سو گرام وزن کم نکلا تو آپ خیانت کا الزام نہیں لگا سکتے کیونکہ سودے میں وزن کا اعتبار تو سرے سے ہُوا ہی نہیں۔

یہ تو ایک مُرغی کی خرید و فروخت کی مثال ہے۔ اگر زندہ مُرغیوں سے بھرا ہُوا پُورا ٹوکرا وزن کرکے وزن کے حساب سے فروخت کیا جائے تو تفاوت اور زیادہ ہوسکتا ہے۔

جب مذکورہ بالا فرق سمجھ گئے تو اصلاح کی یہ صورت سامنے آگئی کہ قیمت کا محض اندازہ کرنے کے لیے تول لیا جائے۔ پھر جَب خرید و فروخت کی جائے تو عدد کے حساب سے کی جائے یعنی اس طرح کہ اس مرغی کی قیمت سو روپے ہے یا اس طرح کہ یہ مرغی جس کا تقریبی وزن ڈھائی کلو اس کی قیمت سو روپے ہے۔ اسی طرح یہ سو مُرغیاں جن کا تقریبی وزن ڈھائی سو کلو ہے ان کی قیمت چار ہزار روپے ہے۔

اصل مسئلہ تو یہاں تک بیان ہوچکا۔ آخر میں دو تنبیہات ذکر کی جاتی ہیں۔

تنبیہ نمبر ۱: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ "تولنے کے ذریعے یہ جاننا مقصود ہوتا ہے کہ

جانور کتنا پُر گوشت ہے۔ جب یہ بات تُلنے سے واضح ہوگئی تو سودا عدداً ہی ہوتا ہے لہٰذا وہ عددی ہی شمار ہوگا۔"

یہ بات اس وقت تو صحیح ہے جب بائع اور مشتری دونوں یہ بھی جانتے ہوں کہ زندہ جانور موزونی شی نہیں ہے اور اس فرق سے بھی باخبر ہوں جو ہم نے وزن کے حساب سے خرید و فروخت اور عدد کے حساب سے خرید فروخت کے درمیان ہے اس فرق کو ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔

لیکن عوام تو ان دونوں باتوں سے بے خبر ہیں اور وہ اس کو موزونی سمجھ کر ہی خرید و فروخت کرتے ہیں اور عملاً ایسا ہو بھی رہا ہے کہ دکاندار مثلاً یہ کہتا ہے کہ ہمیں دو سو کلو مُرغی دے دو۔ اور چونکہ اس کو مبیع کی مقدار کی جہالت اور قیمت کی جہالت لازم ہے لہٰذا اسکے صحیح ہونے کی کوئی صُورت نہیں۔

تنبیہ نمبر ۲: بہت سے حوالجات میں مثلاً ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ، بحرالرائق، کفایہ، بنایہ اور مجمع الانہر میں حیوان کے بارے میں ایک وجہ یہ لکھی ہے۔ لانہ لایوزن عادۃ (حیوان کو وزن کرنے کا رواج نہیں ہے۔)

اس سے کوئی یہ خیال کرے کہ حیوان کے موزونی شے نہ ہونے کی وجہ ایک یہ تھی کہ رواج نہیں تھا اور اب چونکہ رواج بن گیا ہے، لہٰذا موزونی نہ ہونے کی یہ وجہ تو منتفی ہوگئی۔

اس بارے میں یہ وضاحت مناسب ہے کہ اگرچہ شریعت نے غیر منصوص میں رواج کا خیال رکھا ہے جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے۔

فان قلت: لو جاز بیع لحم الطیر بعضہ ببعض متفاضلا مع انہ جنس واحد ولو یتبدل بالصفۃ۔ قلنا انما جاز لانہ غیر موزون عادۃ فلو یکن مقدرا فلو توجد العلۃ۔ فحاصلہ ان الاختلاف باختلاف الاصل او المقصود او بتبدل الصفۃ۔ وفی الفتح ینبغی ان یستثنی عن لحوم الطیر الدجاج والاوز لانہ یوزن فی عادۃ اھل مصر (مجمع الانہر ص۸۸ ج۲)

اگر تم کہو کہ پرندے کا گوشت پرندے کے گوشت کے عوض میں کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا کیوں جائز ہے جبکہ وہ ایک ہی جنس ہے اور صفت میں بھی تبدیلی نہیں ہے۔

ہم جواب میں یہ کہتے ہیں کہ پرندے کے گوشت کو وزن کرنے کا رواج نہیں ہے۔ لہٰذا یہ مقدار والا نہیں ہے اور اس طرح کمی بیشی کی حرمت کی علت بھی نہیں پائی گئی ... اور فتح القدیر میں ہے کہ پرندے کے گوشت میں سے مُرغی اور بطخ کا گوشت مستثنیٰ ہونا چاہیے، کیونکہ اہل مصر کے ہاں اس کو وزن کرنے کا رواج ہے۔

لیکن حیوان کے غیر موزونی ہونے کی اصل وجہ یہی ہے کہ اس کے ثقل و بوجھ کی مقدار معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس لیے جہاں یہ لکھا ہے کہ حیوان کو وزن کرنے کا رواج نہیں ہے وہاں یہ اصل وجہ بھی تحریر ہے۔ جیسا کہ شروع میں ذکر کیے گئے حوالجات سے واضح ہے اور بعض نے فقط اصل وجہ ہی پر اکتفا کیا، مثلاً شرح الیاس میں اور شرح النقایہ میں۔ غرض رواج کی وجہ کا ذکر اتفاقی ہے کہ ان حضرات کے دَور میں حیوان کو وزن کرنے کا رواج بھی نہیں تھا احترازی نہیں ہے کہ اَب اگر رواج چل نکلا ہے تو ہمارے لیے اس کے موزونی ہونے کی کچھ وجہ بن جائے۔

مجمع الانہر کے حوالے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موزونی ہونے کے لیے اوّلاً شی ایسی ہو کہ اپنی ذات کے اعتبار سے وہ قابلِ وزن ہو جیسا کہ پرندے کے گوشت کی مثال مذکور ہوئی۔ پھر اس کے بعد وزن کرنے کا رواج بھی ہو۔ اگر پہلی بات موجود ہے اور دوسری بات، یعنی رواج مفقود ہے تو ہو سکتا ہے کہ رواج کبھی بن جائے جیسا کہ مُرغی اور بطخ کے گوشت میں ذکر کیا، لیکن اگر پہلی بات ہی مفقود ہو تو غیر موزونی ہونا دائمی ہے۔ پھر اگر دوسری بات بھی مفقود ہو تو غیر موزونی ہونے کے لیے ایک اور دلیل بھی بن گئی ورنہ اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

○

اطّلاع تبدیلی فون نمبر مکان مولانا رشید میاں صاحب

نیا نمبر		پرانا نمبر
۲۰۹۰۵۲	○	~~۲۰۵۱۸۸~~

"ہے کوئی اِس جیسا شربت تو بتائیں؟"
قرشی
جامِ شیریں
"خالص قدرتی اجزاء کے عرقیات سے تیار۔ پانی میں فورًا حل ہو جاتا ہے اور طبیعت میں بھاری پن نہیں لاتا۔ اور ہاں ... اس میں عرقِ صندل بھی شامل ہے جو گرمی میں ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا مزہ مجھے کیا سارے گھر کو بے حد پسند ہے!"
شربت
جامِ شیریں
100 فیصد خالص 100 فیصد تسکین
MPL

حضرت سید نفیس شاہ صاحب دامت برکاتہم ذیقعد ۱۴۱۴ھ / اپریل ۱۹۹۴ء میں ہرات کے سفر پر تشریف لے گئے وہاں آپکا ریاست ارشادِ اسلامی ولایت ہرات میں قیام ہوا، اسی سفر میں مرکزِ ولایت چشت بھی جانا ہوا، قیامِ ہرات کے دوران یہ نظم موزون ہوئی واپسی پر آپنے ادارہ کو یہ نظم عنایت فرمائی، حواشی و تعلیقات کے ساتھ یہ نظم حضرت کے شکریہ کے ساتھ شاملِ اشاعت کی جارہی ہے۔

باسمہٖ تعالیٰ

تاقیامت رہے آبروئے ہرات

ایک مدّت سے تھی آرزوئے ہرات　　راہ دِکھلائی قسمت نے سوئے ہرات
حبّذا شہرِ عرفان و علم و ہنر　　سارے عالَم میں ہے ہاؤ ہوئے ہرات
ہے فضا اِس کی پاکیزہ و خوشگوار　　زندگی بخش ہے آبِ جوئے ہرات
سارا ماحول ایمان افروز ہے　　بادۂ حق سے پُر ہے سبوئے ہرات
عِشق ہی عشق ہے چشت کا رنگ و نور　　حُسن ہی حُسن ہے خُلق و خوئے ہرات
اپنے آباء و اجداد کی جستجو!　　پھر رہی ہے لیے کُو بہ کوئے ہرات
حضرتِ زیدِ جُندی کا عزمِ جہاد　　تابہ دہلی گئی مشکبوئے ہرات
ہند پر غزنوی اور غوری کا راج　　آج بھی مانتا ہے عدوئے ہرات
اے مبصّر ذرا چشمِ بینا سے دیکھ　　پُر ہے خونِ شہیداں سے جوئے ہرات
اب لہو سے شہیدوں کے گُلرنگ ہے　　کِس قدر خوبصورت ہے رُوئے ہرات
عظمتِ رفتہ مؤمن کو پھر ہو نصیب　　اب یہی ہے فقط جستجوئے ہرات
اب بفضلِ خدا رُوس کی کیا مجال　　ہو سکے پھر کبھی رُو برُوئے ہرات
کس کی ہمّت ہے مدّ مقابل بنے　　لے کے دِکھلائے میداں میں گوئے ہرات
اے خوشا، قید سے اب تو آزاد ہے　　چہچہا بُلبلِ خوش گلوئے ہرات
نشأۃِ دینِ اسلام اب تجھ سے ہے　　مرحبا غازیٔ سُرخروئے ہرات

دِل کی گہرائیوں سے دُعا ہے نفیسؔ
تاقیامت رہے آبروئے ہرات

۱۰ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
صبح جمعۃ المبارک

نفیس الحسینی
حال وارد ہرات

نظم سے متعلق حواشی و تعلیقات صفحہ ۶۴ پر ملاحظہ فرمائیں

حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

اسلامی رواداری

ایک مرتبہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ایک مکان پر تشریف لے گئے دیکھا تو ایک بُوڑھا نابینا بھیک مانگ رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تو کون ہے؟ اس نے کہا مَیں "یہودی" ہُوں آپ نے دریافت کیا کہ کس چیز نے تجھ کو بھیک مانگنے پر مجبور کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اداءِ جزیہ، معاشی ضرورت اور ضعفِ پیری نے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سُن کر اُس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے مکان پر لے جاکر جو موجود تھا اُس کو دیا پھر بیت المال کے خزانچی کے پاس فرمان بھیجا۔

"اُنْظُرْ هٰذَا وَ ضُرَبَآئَهٗ فَوَاللّٰهِ مَآ اَنْصَفْنَاهُ اِنْ اَكَلْنَا شَيْبَتَهٗ ثُمَّ نَخْذُلُهٗ عِنْدَ الْهَرَمِ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْفُقَرَآءُ هُمُ الْمُسْلِمُوْنَ وَهٰذَا مِنَ الْمَسَاكِيْنِ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَ وَضَعَ عَنْهُ"

یہ اور اسی قسم کے دوسرے حاجت مندوں کی تفتیش کرو، خدا کی قسم، ہم ہرگز انصاف پسند نہیں ہو سکتے اگر اِن (ذمیوں) کی جوانی کی محنت (جزیہ) تو کھائیں اور ان کی پیری کے وقت اُن کو بھیک کی ذلّت کے لیے چھوڑ دیں، قرآن عزیز میں ہے انما الصدقات للفقراء والمساکین۔ میرے نزدیک یہاں فقراء سے مُسلمان مفلس مراد ہیں اور مساکین سے اہلِ کتاب کے غُربا و فقراء[1] اس کے بعد حضرت عمرؓ نے تمام ایسے لوگوں

---

[1] یاد رہے کہ غیر مسلموں کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں البتہ دیگر صدقاتِ نافلہ اُنہیں دیے جا سکتے ہیں۔

الْجِزْيَةَ وَعَنْ ضَرَبَائِهٖ سے جزیہ بھی معاف کر دیا اور اُن کا وظیفہ بھی بیت المال سے مقرر کر دیا الخ"[1]

سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ ایک مرتبہ شام کا ایک تاجر کچھ سامان لے کر مدائن آیا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایک عام آدمی کی طرح سڑکوں پر پھر رہے تھے شام کا وہ تاجر اُنہیں مزدور سمجھا اور اُن سے کہا کہ یہ گٹھڑی اُٹھا لو۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کسی تأمل اور توقف کے بغیر گٹھڑی اُٹھا لی، کچھ دیر بعد مدائن کے باشندوں نے انہیں بوجھ اُٹھائے دیکھا تو اُس شامی تاجر سے کہا کہ "یہ امیر مدائن ہیں" اس پر وہ تاجر بہت حیران بھی ہوا اور شرمندہ بھی اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے معذرت کے ساتھ درخواست کی کہ وہ بوجھ اُتار دیں، لیکن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ راضی نہ ہوئے اور فرمایا کہ "میں نے ایک نیکی کی نیت کر لی ہے اَب جب تک وہ پوری نہ ہو یہ سامان نہیں اُتاروں گا"۔ چنانچہ وہ سامان منزل تک پہنچا کر ہی دم لیا۔[2]

اسی کے ساتھ ماضی قریب کے ایک بزرگ مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء مدفون جنت البقیع مدینہ منوّرہ) کا واقعہ بھی ملاحظہ فرماتے چلیں، حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"خان صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمود حسن صاحب بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مولوی مظفر حسین صاحب کہیں تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں ایک بڈھا ملا جو بوجھ لیے ہوئے جاتا تھا، بوجھ کسی قدر زیادہ تھا، اس وجہ سے مشکل سے چلتا تھا۔ مولوی مظفر حسین صاحب نے جب یہ حال دیکھا تو آپ نے اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا، اس بڈھے نے پوچھا کہ اجی تم کہاں رہتے ہو، اُنھوں نے کہا بھائی مَیں کاندھلہ رہا ہوں اس نے کہا وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں اور ایسے ہیں ویسے

---

[1] کتاب الخراج بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام، ص: ۱۵۱ -

[2] طبقات ابن سعد ج: ۴، ص: ۸۸ بحوالہ جہان دیدہ ص: ۵۱ -

ہیں غرض بہت تعریفیں کیں، مگر مولوی مظفر حسین صاحب نے فرمایا کہ اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہاں نماز تو پڑھ لے ہے، اس نے کہا واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو، مولوی صاحب نے فرمایا میں ٹھیک کہتا ہوں۔ وہ بڈھا اُن کے سر ہو گیا۔ اتنے میں ایک اور شخص آگیا جو مولوی مظفر حسین صاحب کو جانتا تھا۔ اس نے اس بڈھے سے کہا بھلے مانس مولوی مظفر حسین یہی تو ہیں، اس پر وہ بڈھا ان سے لپٹ کر رونے لگا، مولوی صاحب بھی اس کے ساتھ رونے لگے۔[1]

سلطانی میں دُرویشی

"حضرت خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی رحمۃ اللہ نے اپنے وصال سے پہلے یہ وصیّت کی تھی کہ اُن کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جو ہمیشہ عفیف رہا ہو (کبھی زنا نہ کیا ہو) عصر کی سُنتیں قضا نہ کی ہوں اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیرِ اُولیٰ سے شریک رہا ہو، نمازِ جنازہ کے وقت جب اس وصیّت کا اعلان کیا گیا تو (سلطان شمس الدین) ایلتمش نے بھی اس کو سُنا اور تھوڑی دیر خاموش رہا کہ کسی بزرگ کو یہ سعادت حاصل ہو، لیکن جب کسی نے امامت کے لیے سبقت نہیں کی تو وہ یہ کہتا ہُوا آگے بڑھا کہ میری خواہش تو یہی تھی کہ میرے حال سے کسی کو واقفیّت نہ ہو، لیکن خواجہ کے حُکم کے آگے کوئی چارہ نہیں، پھر جنازہ کی نماز پڑھائی اور ایک طرف تو اپنے کاندھے پر جنازہ اُٹھایا اور بقیہ تین طرف اولیاء اللہ اپنے اپنے کاندھوں پر قطب صاحبؒ کے جسدِ مبارک کو مدفن تک لے گئے۔"[2]

"انوارِ مدینہ" میں
اشتہار
دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

---

[1] حکایاتِ اولیاء، ص: ۲۳۳ [2] ہندوستان کی بزمِ رفتہ کی سچی کہانیاں حصّہ اوّل، ص: ۴۹۔

تبصرہ

نام کتاب : میزان الحق
مرتّب : پیرجی سیّد مشتاق علی شاہ
صفحات : ۷۸۴
ناشر : مکتبہ فاروقیہ آٹھ گوبند گڑھ گوجرانوالہ
قیمت : /۱۵۰

پیرجی سیّد مشتاق علی شاہ صاحب ایک فعّال قسم کے کارکن ہیں، مختلف عنوانات سے متعلّق اکثر چھوٹی بڑی کتابیں مرتب کر کے چھاپتے رہتے ہیں، زیرِ نظر کتاب "میزان الحق" ایک ضخیم کتاب ہے جو حال ہی میں اُنھوں نے مرتّب کرکے شائع کی ہے۔ موصوف نے اس کتاب کو تین حصّوں میں تقسیم کیا ہے پہلے حصّے میں اکابر اہلِ سُنّت حضرت نانوتوی حضرت گنگوہی، مولانا خلیل احمد سہارن پوری اور حضرت تھانوی رحمہم اللہ پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات ہیں۔ دوسرے حصّے میں علمِ غیب حاضر ناظر، مسئلہ مختار کل، مسئلہ نور و بشر سے متعلّق بحث کی گئی ہے اور تیسرے حصّے میں بدعت کے لغوی و شرعی معنیٰ ذکر کرکے فرداً فرداً بدعات کی تردید کی گئی ہے، اگر انسان خالی الذہن ہوکر اس کتاب کو پڑھے تو اُمّید ہے کہ ضرور اُسے ہدایت نصیب ہوگی۔

ڈائی دار جلد سے مزیّن یہ ضخیم کتاب مارکیٹ میں انتہائی مناسب نرخ پر دستیاب ہے۔ قارئین اس کتاب سے ضرور استفادہ فرمائیں۔

(ن - ا)

حواشی و تعلیقات

چشت: ہرات سے ۱۰۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر شمال مشرق میں پہاڑوں سے گھری ہوئی ایک مردم خیز بستی کا نام چشت ہے اس بستی میں باشارۂ غیبی حضرت خواجہ ممشاد دینوری رحمہ اللہ کے خلیفہ حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ ۳۲۹ھ) حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی رحمہ اللہ (متوفی ۳۵۵ھ) کی تربیت کے لیے تشریف لائے اور تربیت مکمل فرماکر واپس تشریف لے گئے۔ آپ کے وجودِ مسعود سے جو سلسلہ یہاں چلا وہ سلسلۂ چشتیہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی، آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ محمدّ بن احمد چشتی (متوفی ۴۱۱ھ) ان کے خلیفہ خواجہ ناصر الدین یوسف بن سمعان چشتی (متوفیٰ ۴۵۹ھ) اُن کے خلیفہ حضرت خواجہ مودود چشتی (متوفیٰ ۵۲۷ھ) یہ سب سرزمینِ چشت ہی میں پیدا ہوئے اور چشت ہی میں ان سب کے مزارات ہیں رحمهم الله رحمةً واسعةً

حضرت زید جُندیؒ: حضرت سیّد ابوالحسن زید الجندی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ سیّد محمد حسینی گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۸۲۵ھ خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ کے اجداد میں سے ہیں۔ آپکا شجرۂ نسب اس طرح سے ہے۔ سیّد ابوالحسن زید جُندی بن سیّد ابوعبداللہ الحسین الفدان بن سیّد ابو منصور محمد الاکبر بن سیّد عمر الاعلیٰ بن سیّد ابوالحسین یحییٰ المحدث (متوفیٰ ۲۰۷ھ) بن سیّد ابو عبداللہ الحسین ذی الدمعۃ (شہادت ۱۳۵ھ) بن سیّد ابوالحسین زید الشہید (شہادت ۱۲۲ھ) بن سیدعلی الاوسط امام زین العابدین (متوفیٰ ۹۴ھ) بن ریحانتہ النبی ابوعبداللہ الحسین الشہید سبط الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (شہادت ۶۱ھ) بن امیر المؤمنین سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ۔

(عمدۃ الطالب ص ۲۶۴، سیرِ محمدی ص ۷، تاریخ حبیبی قلمی ص ۱۰)

حضرت خواجہ گیسودراز رحمہ اللہ کے آباءِ کرام میں حضرت ابوالحسن زید الجندی رحمۃ اللہ علیہ پہلے بزرگ ہیں جو برِصغیر پاک وہند میں وارد ہوئے ہیں، آپ ایک لشکر کے ساتھ خراسان سے عَلَمِ جہاد بلند کیے ہوئے فتح دہلی کے لیے تشریف لائے اور ایک معرکۂ عظیم میں خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے، یہ ترکوں (غوریوں) کی فتح دہلی سے پہلے کا واقعہ ہے (یہ غالباً چوتھی صدی ہجری کا زمانہ ہے) قلعۂ دہلی کے نیچے دروازۂ شکار کے متصل آپ کا مزارِ پُر انوار ہے، حضرت خواجہ گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں یہ معروف تھا، البتہ آجکل اس کے صحیح آثار دریافت طلب ہیں (جوامع الکلم ص ۳۱۳، تاریخ حبیبی قلمی ص ۱۳)

غزنوی: فاتحِ سومنات سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۴۲۱ھ

غوری: سلطان شہاب الدین محمد غوری رحمۃ اللہ علیہ شہادت ۶۰۲ھ

غازیِ ہرات: فاتحِ ہرات مردِ مومن غازی جرنیل محمد اسماعیل حفظہ اللہ تعالیٰ